جلد (۸) عدد (۲)
صفر المظفر ۱۳۵۵ھ

رجسٹر نمبر آصفیہ ۱۲۰
رجسٹر نمبر ایم ۲۹۵۰

۷۸۶

ماہنامہ

ترجمان القرآن

علوم قرآنی و حقایق فرقانی کا ذخیرہ

مرتبہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی

قیمت سالانہ (صہ)

قیمت فی پرچہ (۸/)

الجہاد فی الاسلام

(تالیف)

ابوالاعلیٰ مودودی

اسلام کے جن مسائل پر مخالفین نے سب سے زیادہ حملے کئے ہیں اُن میں سے ایک مسئلہ جہاد بھی ہے اس مسئلہ پر ایسی شدومد کے ساتھ اعتراضات کیے گئے کہ بہت سے مسلمان بھی ان سے مرعوب ہو گئے اور انہوں نے دشمنوں کے اعتراضات کو رفع کرنے کے لیے خود اسلام کے احکام اور اس کی تعلیمات میں قطع وبرید شروع کر دی۔ اسلام کے حامیوں کی جانب سے اس مسئلہ پر جو کچھ لکھا گیا وہ سب معذرت Apology کے انداز میں تھا جس سے صریح کمزوری اور مرعوبیت ظاہر ہوتی تھی۔ مولانا شبلی مرحوم اور مولانا ابوالکلام آزاد نے البتہ اس مسئلہ کو صاف کرنے کی کوشش کی مگر پورا پورا حق ان کی تحریروں سے بھی ظاہر نہیں ہوا۔ ضرورت تھی کہ ایک مفصل کتاب اس موضوع پر لکھی جاتی جس میں جنگ کے متعلق اسلام کی تعلیم اور اس کے مقاصد اور احکام کو تفصیل کے ساتھ صاف صاف بیان کر دیا جاتا، اور دوسرے مذاہب اور قوموں کے اصول وقوانین جنگ سے مقابلہ کر کے ثابت کیا جاتا کہ اسلام کا جہاد اپنے مقاصد اور قواعد وضوابط کے لحاظ سے سب پر فوقیت رکھتا ہے۔

الجہاد فی الاسلام نے اسی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ یہ کتاب معذرت کے انداز میں نہیں بلکہ اظہار حق کے انداز میں لکھی گئی ہے اور ضمناً اس میں ہندو مذہب، بودھ مت، مسیحیت، یہودیت اور قانون بین الاقوام International law پر ایسے مباحث بھی آ گئے ہیں جو ابھی تک اردو زبان کے لیے بالکل نئے ہیں۔ عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ اس موضوع پر ایسی کوئی کتاب صرف اردو ہی نہیں بلکہ کسی مشرقی یا مغربی زبان میں بھی نہیں لکھی گئی۔

ضخامت (۵۰۰) صفحات قیمت بلا جلد (للعہ) انگریزی (للعہ) سکہ عثمانیہ (مجلد کی قیمت صہ انگریزی صہ سکہ عثمانیہ!

دفتر ترجمان القرآن سے طلب فرمائیے (یہ کتاب مکتبہ علمیہ چارمینار سے بھی مل سکتی ہے)

فہرست مضامین

ماہ صفر ۵۵ھ جلد ۸ عدد ۲

اشارات	ابوالاعلیٰ مودودی	۹۸
مقالات		
مسئلہ بدار	جناب مولینا عبداللہ العمادی	۱۱۰
بشارات الانبیاء	جناب مولوی فضل حق صاحب	۱۲۲
تنزیل و تاویل		
تفسیر سورۂ کوثر (علامہ فراہیؒ)	ترجمہ جناب مولانا امین احسن صاحب اصلاحی	۱۳۸
تفسیر سورہ قریش	جناب مولانا عبدالقدیر صاحب صدیقی	۱۵۰
ایاک نعبد و ایاک نستعین	جناب مولانا طاہر بن احمد صاحب	۱۵۲
رسائل و مسائل		
سود، پردہ، طلاق اور مہر	ابوالاعلیٰ مودودی	۱۶۱
مطبوعات		۱۸۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِشارات

مسئلہ سود پر ہمارے مضامین کو دیکھ کر ایک خیال کا بار بار اظہار کیا گیا ہے۔ وہ خیال یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں سرمایہ داری نظام سیاسی طاقت کے ساتھ ہمارے گرد و پیش کی پوری معاشی دنیا پر مسلط ہو چکا ہے معیشت کی گاڑی اصول سرمایہ داری کے پہیوں پر چل رہی ہے، سرمایہ دار ہی اس کو چلا رہے ہیں اور وہی قومیں اس کے ذریعہ سے منزل ترقی کی طرف بڑھ رہی ہیں جن کے لئے پیدائش دولت اور صرف دولت کے باب میں کوئی مذہبی یا اخلاقی قید نہیں ہے۔ دوسری طرف ہماری اجتماعی قوت منتشر ہے۔ دنیا کے نظم معیشت کو بدلنا تو درکنار ہم خود اپنی قوم میں بھی اسلامی نظم معیشت کو از سر نو قائم کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اب اگر ہماری مذہبی قیود ہم کو زمانے کے چلتے ہوئے نظام معاشی میں پورا پورا حصہ لینے سے روک دیں تو نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ ہماری قوم معاشی ترقی و خوشحالی کے ذرائع سے فائدہ اٹھانے میں دوسری قوموں سے پیچھے رہ جائیگی، ہم مفلس ہوتے جائیں گے اور ہمسایہ قومیں دولت مند ہوتی چلی جائیں گی، اور ہماری یہ معاشی کمزوری ہم کو سیاسی اخلاقی اور تمدنی حیثیت سے بھی ذلیل اور پست کر دیگی۔ یہ محض وہم اور اندیشہ نہیں ہے، بلکہ واقعات کی دنیا میں یہی نتیجہ ہم کو نظر آرہا ہے، برسوں سے نظر آرہا ہے، اور مستقبل میں ہمارا جو کچھ انجام ہونے والا ہے اس کے آثار کچھ ایسے دھندلے نہیں ہیں کہ ان کو نہ دیکھا جاسکتا ہو۔ پس ہم کو محض شریعت

کا قانون بتانے سے کیا فائدہ؟ اسلام کے معاشی اصول بیان کرنے سے کیا حاصل؟ ہم کو یہ بتاؤ کہ ان حالات میں اسلامی قانون کی پابندی کے ساتھ ہمارے لئے اپنی معاشی حالت کو سنبھالنے اور ترقی کی منزلیں طے کرنے کی بھی کوئی سبیل ہے؟ اگر نہیں ہے تو دو صورتوں میں سے ایک صورت یقیناً پیش آئیگی۔ یا تو مسلمان بالکل تباہ ہو جائیں گے۔ یا پھر وہ بھی دوسری قوموں کی طرح مجبور ہوں گے کہ ایسے تمام قوانین کی پابندی سے آزاد ہو جائیں جو زمانے کا ساتھ نہیں دے سکتے۔

یہ سوال صرف مسئلہ سود ہی تک محدود نہیں ہے۔ دراصل اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اگر زندگی کے تمام شعبوں میں سے محض ایک معیشت ہی کا شعبہ ایسا ہوتا جس پر ایک غیر اسلامی نظام مسلط ہو گیا ہوتا، تو شاید معاملہ نسبتہً بہت ہلکا ہوتا۔ مگر واقعات کی شہادت کچھ اور ہے۔ اپنے گرد و پیش کی دنیا پر نظر ڈالیے۔ خود اپنے حالات کا جائزہ لے کر دیکھیے۔ زندگی کا کونسا شعبہ ایسا پایا جاتا ہے جس پر غیر اسلام کا تسلّط نہیں ہے؟ کیا اعتقادات اور افکار و تخیلات پر الحاد و دہریت یا کم از کم شک و ریب کا غلبہ نہیں؟ کیا تعلیم پر ناخداشناسی کی حکومت نہیں؟ کیا تمدن و تہذیب پر فرنگیت کا استیلا نہیں؟ کیا معاشرت کی جڑوں تک میں مغربیت اتر نہیں گئی ہے؟ کیا اخلاق اس کے غلبہ سے محفوظ ہیں؟ کیا معاملات اس کے تسلّط سے آزاد ہیں؟ کیا قانون اور سیاست اور حکومت کے اصول و فروغ۔ نظریات اور عملیات میں سے کوئی چیز بھی اس کے اثر سے پاک ہے۔؟

جب حال یہ ہے تو آپ اپنے سوال کو معیشت اور اس کے بھی صرف ایک پہلو تک کیوں محدود رکھتے ہیں؟ اس کو وسیع کیجیے۔ پوری زندگی پر پھیلا دیجیے۔ یوں کہیے کہ زندگی کے دریا نے اپنا رخ بدل دیا ہے۔ پہلے وہ اس راستہ پر بہ رہا تھا جو اسلام کا راستہ تھا۔ اب وہ اس راستہ پر بہ رہا ہے جو غیر اسلام کا راستہ ہے۔ ہم اس کے رخ کو بدلنے کی قوت نہیں رکھتے۔ ہم میں اتنی قوت

بھی نہیں کہ اس کی رَو کے خلاف تیر سکیں۔ ہم کو ٹھیرنے میں بھی ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ اب ہمیں کوئی ایسی صورت بتاؤ کہ ہم مسلمان بھی رہیں، اور اس دریا کے بہاؤ پر اپنی کشتی کو بھی چھوڑ دیں۔ عازم کعبہ بھی ہیں اور اس قافلہ کا ساتھ بھی نہ چھوڑیں جو ترکستان کی طرف جارہا ہے۔ ہم اپنے خیالات، نظریات، مقاصد، اصول حیات، اور مناہج عمل میں نامسلمان بھی ہوں، اور پھر مسلمان بھی ہوں۔ اگر ان اضداد کو جمع کرنے کی کوئی صورت تم نے نہ نکالی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو ہم اسی دریا کے ساحل پر کہیں مر رہیں گے، یا پھر یہ اسلام کا لیبل جو ہماری کشتی پر لگا ہوا ہے ایک دن کھرچ ڈالا جائیگا اور یہ کشتی بھی دوسری کشتیوں کے ساتھ دریا کے دھارے پر بہتی نظر آئیگی۔

ہمارے "روشن خیال" اور "تجدد پسند" حضرات جب کسی مسئلہ پر گفتگو فرماتے ہیں تو ان کی آخری حجت، جو ان کے نزدیک سب سے قوی حجت ہے، یہ ہوتی ہے کہ زمانے کا رنگ یہی ہے۔ ہوا کا رخ اسی طرف ہے۔ دنیا میں ایسا ہی ہو رہا ہے پھر ہم اس کی مخالفت کیسے کر سکتے ہیں، اور مخالف کرکے زندہ کیسے رہ سکتے ہیں؟ اخلاق کا سوال ہو۔ وہ کہیں گے کہ دنیا کا معیار اخلاق بدل چکا ہے۔ مطلب یہ نکلا کہ مسلمان اس پرانے معیار اخلاق پر کیسے قائم رہیں؟ پردے پر بحث ہو۔ ارشاد ہوگا کہ دنیا سے پردہ اٹھ چکا ہے۔ مراد یہ ہوئی کہ جو چیز دنیا سے اٹھ چکی ہے اس کو مسلمان کیسے نہ اٹھائیں؟ تعلیم پر گفتگو ہو۔ ان کی آخری دلیل یہ ہوگی کہ دنیا میں اسلامی تعلیم کی مانگ ہی نہیں۔ مدعا یہ کھلا کہ مسلمان بچے وہ جنس بن کر کیسے نکلیں جس کی مانگ نہیں ہے اور وہ مال کیوں نہ بنیں جس کی مانگ ہے؟ سود پر تقریر ہو۔ ٹیپ کا بند یہ ہوگا کہ اب دنیا کا کام اس کے بغیر نہیں چل سکتا۔ گویا مسلمان کسی ایسی چیز سے احتراز کیسے کر سکتے ہیں جو اب دنیا کا کام چلانے کے لیے ضروری ہوگئی ہے؟۔ غرض یہ کہ تمدن، معاشرت، اخلاق، تعلیم، معیشت، قانون، سیاست اور زندگی کے دوسرے

شعبوں میں سے جس شعبے میں وہ اصول اسلام سے ہٹ کر فرنگیت کا اتباع کرنا چاہتے ہیں اس کے لیے زمانے کا رنگ اور ہوا کا رُخ اور دنیا کی رفتار وہ آخری حجت ہوتی ہے جو اس تقلید مغربی یا درحقیقت اس جزوی ارتداد کے جواز پر برہان قاطع سمجھ کر پیش کی جاتی ہے، اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ عمارتِ اسلامی کے اجزا میں سے ہر اُس جزء کو ساقط کر دینا فرض ہے جس پر اس دلیل سے حملہ کیا جائے۔

ہم کہتے ہیں کہ شکست و ریخت کی یہ تجویزیں جن کو تم متفرق طور پر پیش کرتے ہو، ان سب کو ملا کر ایک جامع تجویز کیوں نہیں بنا لیتے؟ ـ مکان کی ایک ایک دیوار، ایک ایک کمرے اور ایک ایک دالان کو گرانے کی علٰحدہ علٰحدہ تجویزیں پیش کرنے، اور ہر ایک پر فرداً فرداً بحث کرنے میں فضول وقت ضائع ہوتا ہے۔ کیوں نہیں کہتے کہ یہ پورا مکان گرا دینے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کا رنگ زمانے کے رنگ سے مختلف ہے۔ اس کا رخ ہوا کے رخ سے پھرا ہوا ہے اور اس کی وضع ان مکانوں سے کسی طرح نہیں ملتی جو آب دنیا میں بن رہے ہیں۔

جن لوگوں کے حقیقی خیالات یہی ہیں ان سے بحث کرنا فضول ہے۔ ان کے لیے تو صاف اور سیدھا جواب یہی ہے کہ اس مکان کو گرانے اور اس کی جگہ دوسرا مکان بنانے کی زحمت آپ کیوں اٹھاتے ہیں، جو دوسرا خوش وضع، خوشنما، خوش رنگ مکان آپ کو پسند آئے اس میں تشریف لے جائیے۔ اگر دریا کے دھارے پر بہنے کا شوق ہے تو اس کشتی کا پیندا کھرچنے کی تکلیف بھی کیوں اٹھائیے۔ جو کشتیاں پہلے ہی سے بہ رہی ہیں ان میں سے کسی میں نقل مقام فرما لیجیے۔ جو لوگ اپنے خیالات، اپنے اخلاق، اپنی معاشرت، اپنی معیشت، اپنی تعلیم، غرض اپنی کسی چیز میں بھی مسلمان نہیں ہیں اور مسلمان نہیں رہنا چاہتے ہیں، اُن کے برائے نام مسلمان بنے رہنے سے اسلام کا قطعاً

کوئی فائدہ نہیں بلکہ سراسر نقصان ہے۔ وہ خدا پرست نہیں ہوا پرست ہیں۔ اگر دنیا میں بت پرستی کا غلبہ ہو جائے تو یقیناً وہ بتوں کو پوجیں گے۔ اگر دنیا میں برہنگی کا رواج عام ہو جائے تو یقیناً وہ اپنے کپڑے اتار پھینکیں گے۔ اگر دنیا نجاستیں کھانے لگے تو یقیناً وہ کہیں گے کہ نجاست ہی پاکیزگی ہے، اور پاکیزگی تو سراسر نجاست ہے۔ ان کے دل اور دماغ غلام ہیں اور غلامی ہی کے لئے گھڑے گئے ہیں۔ آج فرنگیت کا غلبہ ہے، اس لیے اپنے باطن سے لیکر ظاہر کے ایک ایک گوشے تک وہ فرنگی بننا چاہتے ہیں کل اگر زنگیت غالب ہو جائے تو یقیناً وہ زنگی بنیں گے، اپنے چہروں پر سیاہیاں پھیرینگے، اپنے ہونٹ موٹے کرینگے، اپنے بالوں میں حبشیت پیدا کریں گے اور ہر اس شے کی پوجا کرنے لگیں گے جو زنگیوں سے ان کو پہنچے گی۔ ایسے غلاموں کی اسلام کو قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ بخدا اگر کروڑوں کی مردم شماری میں سے اِن سب منافقوں اور غلام فطرت لوگوں کے نام کٹ جائیں اور دنیا میں صرف چند ہزار وہ مسلمان رہ جائیں جنکی تعریف یہ ہو کہ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ (اللہ کو چاہنے والے اور اللہ کے محبوب ہوں، مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہوں، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی خوف ان کے دل میں نہ ہو) تو اسلام اب سے بدرجہا زیادہ طاقت ور ہوگا، اور ان کروڑوں کا نکل جانا اس کے حق میں ایسا ہوگا جیسے کسی مریض کے جسم سے تمام مواد فاسد نکل جائے۔

نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ۔ "ہم کو خوف ہے کہ ہم پر مصیبت آجائیگی"۔ یہ آج کوئی نئی آواز نہیں ہے۔ بہت پرانی آواز ہے جو ہمیشہ منافقوں کی زبان سے بلند ہوتی رہی ہے۔ یہی آواز نفاق کی اُس بیماری کا پتہ دیتی ہے جو دلوں میں چھپی ہوئی ہے۔ اسی آواز کو بلند کرنے والے ہمیشہ مخالفین اِسلام کے کیمپ کی طرف لپکتے رہے ہیں۔ ہمیشہ سے انہوں نے اللہ کی قائم کی ہوئی حدوں کو پاؤں کی بیڑیاں اور گلے کا طوق ہی سمجھا ہے۔ ہمیشہ سے ان کو احکام خدا و رسول کا اتباع گراں ہی گزرتا رہا ہے

اطاعت میں جان و مال کا زیاں، اور نافرمانی میں حیات دنیا کی ساری کامرانیاں ہمیشہ سے اُن کو نظر آتی رہی ہیں پس ان کی خاطر خدا کی شریعت کو نہ ابتدا میں بدلا گیا ہے، نہ اب بدلا جاسکتا ہے اور نہ کبھی بدلا جائے گا۔ یہ شریعت بزدلوں اور نامردوں کے لئے نہیں اتری ہے۔ نفس کے بندوں اور دنیا کے غلاموں کے لئے نہیں اتری ہے۔ ہوا کے رخ پر اڑنے والے خس و خاشاک، پانی کے بہاؤ پر بہنے والے حشرات الارض، اور ہر رنگ میں رنگ جانے والے بے رنگوں کے لئے نہیں اتری ہے۔ یہ ان بہادروں اور شیروں کے لئے اتری ہے جو ہوا کا رخ بدل دینے کا عزم رکھتے ہیں۔ جو دریا کی روانی سے لڑنے اور اس کے بہاؤ کو پھیر دینے کی ہمت رکھتے ہیں جو صبغۃ اللہ کو دنیا کے ہر رنگ سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں، اور اسی رنگ میں تمام دنیا کو رنگ دینے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ مسلمان جس کا نام ہے۔ وہ تو دریا کے بہاؤ پر بہنے کے لئے پیدا ہی نہیں کیا گیا ہے۔ اس کی آفرینش کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ زندگی کے دریا کو اس راستہ پر رواں کر دے جو اس کے ایمان و اعتقاد میں راہِ راست ہے، صراط مستقیم ہے۔ اگر دریا نے اپنا رخ اس راستہ سے پھیر دیا ہے تو اسلام کے دعوے میں وہ شخص جھوٹا ہے جو اس بدلے ہوئے رخ پر بہنے کے لئے راضی ہو۔ حقیقت میں جو سچا مسلمان ہے وہ اس غلط رو دریا کی رفتار سے لڑیگا، اس کا رخ پھیرنے کی کوشش میں اپنی پوری قوت صرف کر دے گا، کامیابی اور ناکامی کی اس کو قطعاً پروا نہ ہوگی، وہ ہر اس نقصان کو گوارا کر لے گا جو اس لڑائی میں پہنچے یا پہنچ سکتا ہو، حتی کہ اگر دریا کی روانی سے لڑتے لڑتے اس کے بازو ٹوٹ جائیں، اس کے جوڑ بند ڈھیلے ہو جائیں، اور پانی کی موجیں اس کو نیم جان کر کے کسی کنارے پھینک دیں تب بھی اس کی روح ہرگز شکست نہ کھائیگی، ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے دل میں اپنی اس ظاہری نامرادی پر افسوس یا دریا کی رَو پر بہنے والے کافروں اور منافقوں کی کامرانیوں پر رشک کا جذبہ راہ نہ پائیگا۔

قرآن تمہارے سامنے ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی سیرتیں تمہارے سامنے ہیں۔ ابتداء سے لیکر آج تک کے علمبرداران اسلام کی زندگیاں تمہارے سامنے ہیں۔ کیا ان سب سے تم کو یہی تعلیم ملتی ہے کہ ہوا جدہر اڑائے ادھر اڑ جاؤ، اور پانی جدھر بہائے ادھر بہہ جاؤ، اور زمانہ جو رنگ اختیار کرے اس میں رنگ جاؤ؟ اگر مدعا یہی ہوتا تو کسی کتاب کے نزول اور کسی نبی کی بعثت کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ہوا کی موجیں تمہاری ہدایت کے لئے اور حیات دنیا کا بہاؤ تمہاری رہنمائی کے لئے اور زمانے کی نیرنگیاں تمہیں گرگٹ کی روش سکھانے کے لئے کافی تھیں۔ ایسی ناپاک تعلیم کے لئے خدا نے کوئی کتاب نہیں بھیجی اور نہ کوئی نبی مبعوث کیا۔ اس ذات حق کی طرف سے جو پیغام اور جو پیغامبر بھی آیا ہے اسی لئے آیا ہے کہ دنیا جن راستوں پر چل رہی ہے اُن سب کو چھوڑ کر ایک راستہ مقرر کرے، اور اس کے خلاف جتنے راستے ہوں ان کو مٹانے اور دنیا کو ان سے ہٹانے کی کوشش کرے، اور ایمان داروں کی ایک ایسی جماعت بنائے جو نہ صرف خود اس سیدھے راستہ پر چلیں بلکہ دنیا کو بھی اس کی طرف کھینچ لانے کی کوشش جاری رکھیں۔ انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین نے ہمیشہ اسی غرض کے لئے جہاد کیا ہے۔ اس جہاد میں اذیتیں اُٹھائی ہیں، نقصان برداشت کئے ہیں، جانیں دی ہیں اور کبھی ان میں سے کسی نے مصائب کے خوف یا منافع کے لالچ سے رفتار زمانہ کو اپنا مقتدا نہیں بنایا ہے۔ اب اگر کوئی شخص یا کوئی گروہ ہدایت آسمانی کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے میں نقصان اور مشکلات اور خطرات دیکھتا ہے اور ان سے خوف زدہ ہو کر کسی ایسے راستہ پر جانا چاہتا ہے جس پر چلنے والے اس کو خوشحال، کامیاب اور سربلند نظر آتے ہیں، تو وہ شوق سے اپنے پسندیدہ راستہ پر جائے، مگر وہ بزدل اور حریص اپنے نفس کو اور دنیا کو یہ دھوکہ دینے کی کوشش نہ کرے کہ وہ خدا کی کتاب اور اس کے نبی کے بتائے ہوئے طریقہ کو چھوڑ کر بھی اس کا پیرو ہے۔ نافرمانی خود ایک بڑا جرم ہے۔ اس پر جھوٹ اور فریب اور منافقت کا اضافہ کر کے آخر کیا فائدہ اٹھانا مقصود ہے؟

یہ خیال کہ زندگی کا دریا جس رخ پر بہ گیا ہے۔ اس سے وہ پھیرا نہیں جا سکتا، عقلاً بھی غلط ہے اور تجربہ و مشاہدہ بھی اس کے خلاف گواہی دیتا ہے۔ دنیا میں ایک نہیں سینکڑوں انقلاب ہوئے ہیں، اور ہر انقلاب نے اس دریا کے رخ کو بدلا ہے۔ اس کی سب سے زیادہ نمایاں مثال خود اسلام ہی میں موجود ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں تشریف لائے تو زندگی کا یہ دریا کس رخ پر بہ رہا تھا؟ کیا تمام دنیا پر کفر و شرک کا غلبہ نہ تھا؟ کیا استبداد اور ظلم کی حکومت نہ تھی؟ کیا انسانیت کو طبقات کی ظالمانہ تقسیم نے داغدار نہ بنا رکھا تھا؟ کیا اخلاق پر فواحش، معاشرت پر نفس پرستی، معیشت پر سرمایہ داری، اور قانون پر بے اعتدالی کا تسلط نہ تھا؟ مگر ایک تن واحد نے اٹھ کر تمام دنیا کو چیلنج دے دیا۔ تمام اُن غلط خیالات اور غلط طریقوں کو رد کر دیا جو اس وقت دنیا میں رائج تھے ان سب کے مقابلہ میں اپنا ایک عقیدہ اور اپنا ایک طریقہ پیش کیا اور چند سال کی مختصر مدت میں اپنی تبلیغ اور جہاد سے دریا کے رخ کو پھیر کر اور زمانہ کے رنگ کو بدل کر چھوڑا۔

تازہ ترین مثال اشتراکی تحریک کی ہے۔ انیسویں صدی میں سرمایہ داری کا تسلط اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ کوئی بزدل مرغ باد نما یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ جو نظام ایسی ہولناک سیاسی اور جنگی قوت کے ساتھ دنیا پر مسلط ہے اس کو الٹ دینا بھی ممکن ہے۔ مگر انہی حالات میں ایک شخص کارل مارکس اٹھا اور اس نے اشتراکیت کی تبلیغ شروع کی۔ حکومتوں نے اس کی مخالفت کی۔ وطن سے نکالا گیا۔ ملک ملک کی خاک چھانتا پھرا۔ تنگدستی اور مصائب سے دوچار ہوا۔ مگر مرنے سے پہلے اشتراکیوں کی ایک طاقتور جماعت پیدا کر گیا، جس نے چالیس سال کے اندر نہ صرف روس کی سب سے زیادہ خوفناک طاقت کو الٹ کر رکھ دیا، بلکہ تمام دنیا میں سرمایہ داری کی جڑیں ہلا دیں اور اپنا ایک معاشی و تمدنی نظریہ اس قوت کے ساتھ پیش کیا کہ آج دنیا میں اس کے متبعین کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے، اور ان ممالک کے قوانین بھی اس سے

متاثر ہو رہے ہیں جن پر سرمایہ داری کی حکومت گہری جڑوں کے ساتھ جمی ہوئی ہے۔

مگر انقلاب یا ارتقا ہمیشہ قوت ہی کے اثر سے رونما ہوا ہے، اور قوت ڈھل جانے کا نام نہیں، ڈھال دینے کا نام ہے۔ مُڑ جانے کو قوت نہیں کہتے، موڑ دینے کو کہتے ہیں۔ دنیا میں کبھی نامردوں اور بزدلوں نے کوئی انقلاب پیدا نہیں کیا۔ جو لوگ اپنا کوئی اصول، کوئی مقصد حیات، کوئی نصب العین نہ رکھتے ہوں، جو کسی بلند مقصد کے لئے قربانی دینے کا حوصلہ نہ رکھتے ہوں، جو خطرات اور مشکلات کے مقابلے کی ہمت نہ رکھتے ہوں، جن کو دنیا میں محض آسایش اور سہولت ہی مطلوب ہو، جو ہر سانچے میں ڈھل جانے اور ہر دباؤ سے دب جانے والے ہوں، ایسے لوگوں کا کوئی قابل ذکر کارنامہ انسانی تاریخ میں نہیں پایا جاتا۔ تاریخ بنانا صرف بہادر مردوں کا کام ہے۔ انہی نے اپنے جہاد اور اپنی قربانیوں سے زندگی کے دریا کا رخ پھیرا ہے، دنیا کے خیالات بدلے ہیں، مناہج عمل میں انقلاب برپا کیا ہے، اور زمانے کے رنگ میں رنگ جانے کے بجائے زمانے کو خود اپنے رنگ میں رنگ دیا ہے۔

پس یہ نہ کہو کہ دنیا جس راستہ پر جا رہی ہے اس سے وہ پھیری ہی نہیں جا سکتی، اور زمانے کی جو روش ہے اس کا اتباع کیے بغیر چارہ ہی نہیں ہے۔ مجبوری کا جھوٹا دعویٰ کرنے کے بجائے تم کو خود اپنی کمزوری کا سچا اعتراف کرنا چاہیئے۔ اور جب تم اس کا اعتراف کر لوگے تو تم کو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ کمزور کے لیے دنیا میں نہ کوئی مذہب ہوسکتا ہے نہ کوئی اصول، اور نہ کوئی ضابطہ۔ اس کو تو ہر زور آور سے دبنا پڑے گا۔ ہر طاقت کے آگے جھکنا پڑیگا۔ ہر قوی اثر سے متاثر ہونا پڑیگا۔ وہ کبھی اپنے کسی اصول اور کسی ضابطہ کا پابند نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی مذہب اس کے لیے اپنے اصول بدلتا چلا جائے تو وہ سرے سے کوئی مذہب ہی نہ رہے گا۔

یہ بھی ایک دعویٰ کا ہے کہ اسلام کی قیود تمہاری خوشحالی اور معاشی ترقی میں مانع ہیں۔ آخر تم اسلام کی کس قید کی پابندی کر رہے ہو؟ کونسی قید ہے جس سے تم آزاد نہیں ہوسے اور کونسی حد ہے جس کو تم نے نہیں توڑا؟ تم کو جو چیزیں تباہ کر رہی ہیں ان میں سے کس کی اجازت اسلام نے تم کو دی ہے؟ تم تباہ ہو رہے ہو اپنی فضول خرچیوں سے جن کے لئے کروڑوں روپیہ سالانہ کا سود تمہاری جیبوں سے ساہوکاروں کے خزانے میں جا رہا ہے، اور کروڑوں روپے کی جائدادیں تمہارے قبضہ سے نکلتی چلی جا رہی ہیں۔ کیا اسلام نے تم کو اس کی اجازت دی تھی؟ تم کو خود تمہاری اپنی بری عادتیں تباہ کر رہی ہیں۔ اس مفلسی کی حالت میں بھی سینما اور کھیل تماشے تمہاری آبادی سے بھرے رہتے ہیں۔ تم میں کا ہر شخص لباس اور زینت و آرائش کے سامانوں پر اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرتا ہے۔ تمہاری جیبوں سے ہر مہینے لکھوکھا روپیہ بیہودہ رسموں اور تماشی افعال اور جاہلانہ اشغال میں صرف ہو جاتا ہے۔ ان میں سے کس کو اسلام نے تمہارے لئے حلال کیا ہے؟ سب سے بڑی چیز جس نے تم کو تباہ کر دیا ہے، وہ ادائے زکوٰۃ میں غفلت، اور آپس کی معاونت سے بے پروائی ہے۔ کیا اسلام نے یہ چیز تم پر فرض نہ کی تھی؟ پس حقیقت یہ ہے کہ تمہاری معیشت کی بربادی اسلامی قیود کی پابندی کا نتیجہ نہیں بلکہ ان سے آزادی کا نتیجہ ہے۔ رہی ایک سود کی پابندی تو وہ بھی کہاں قائم ہے؟ کم از کم ۹۵ فی صدی مسلمان بغیر کسی حقیقی مجبوری کے سود پر قرض لیتے ہیں۔ کیا اسلامی احکام کی پابندی اسی کا نام ہے؟ مالدار مسلمانوں میں سے بھی ایک بڑا حصہ کسی نہ کسی شکل میں سود کھا ہی رہا ہے۔ باقاعدہ ساہوکاری نہ کی تو کیا ہوا۔ بنک اور بیمہ اور سرکاری بانڈس اور پراویڈنٹ فنڈس کا سود تو اکثر و بیشتر مالدار مسلمان کھاتے ہیں۔ پھر وہ حرمت سود کی قید کہاں ہے جس پر تم اپنی معاشی خستہ حالی کا الزام رکھتے ہو؟

عجیب پرلطف استدلال یہ ہے کہ مسلمانوں کی عزت اور قومی طاقت کا مدار دولت مندی پر ہے اور دولت کا مدار معاشی ترقی و خوشحالی کے ذرایع سے فائدہ اٹھانے پر ہے، اور ان سب کا مدار سود کے جواز پر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو ابھی تک یہی خبر نہیں کہ عزت اور طاقت کا مدار دراصل ہے کس چیز پر۔ محض دولت ہرگز وہ چیز نہیں ہے جو کسی قوم کو معزز اور طاقتور بناتی ہو۔ تمہارا ایک ایک شخص اگر لکھ پتی اور کروڑ پتی بن جائے مگر تم میں کیرکٹر کی طاقت نہ ہو تو یقین رکھو کہ دنیا میں تمہاری کوئی عزت نہ ہوگی۔ بخلاف اس کے اگر تم میں درحقیقت اسلامی سیرت موجود ہو، تم صادق اور امین ہو، لالچ اور خوف سے پاک ہو، اپنے اصول میں سخت اور اپنے معاملات میں کھرے ہو، حق کو حق اور فرض کو فرض سمجھنے والے ہو، حرام و حلال کی تمیز کو ہر حال میں ملحوظ رکھنے والے ہو، اور تم میں اتنی اخلاقی قوت موجود ہو کہ کسی نقصان کا خوف اور کسی فائدے کی طمع تم کو راستی سے نہ ہٹا سکے اور کسی قیمت پر تمہارا ایمان نہ خریدا جا سکے تو دنیا میں تمہاری ساکھ قایم ہو جائیگی۔ دلوں میں تمہاری عزت بیٹھ جائیگی۔ تمہاری بات کا وزن لکھ پتی کی پوری دولت سے زیادہ ہوگا۔ تم جھونپڑیوں میں رہ کر اور پیوند لگے کپڑے پہن کر بھی دولت سراؤں میں رہنے والوں سے زیادہ احترام کی نظر سے دیکھے جاؤ گے اور تمہاری قوم کو ایسی طاقت حاصل ہوگی جس کو کبھی نیچا نہیں دکھایا جا سکتا۔ عہد صحابہ کے مسلمان کس قدر مفلس تھے۔ جھونپڑیوں اور کمبل کے خیموں میں رہنے والے۔ تمدن کی شان و شوکت سے ناآشنا۔ نہ ان کے لباس درست، نہ غذا درست، نہ ہتیار درست، نہ سواریاں شاندار۔ مگر ان کی جو دھاک اور ساکھ دنیا میں تھی وہ نہ اموی عہد میں مسلمانوں کو نصیب ہوئی نہ عباسی عہد میں اور نہ بعد کے کسی عہد میں۔ ان کے پاس دولت نہ تھی مگر کیرکٹر کی طاقت تھی جس نے دنیا میں انکی عزت و عظمت کا سکہ بٹھا دیا تھا۔ بعد والوں کے پاس دولت آئی، حکومت آئی، تمدن کی

شان و شوکت آئی مگر کوئی چیز بھی کیرکٹر کی کمزوری کا بدل فراہم نہ کرسکی۔

تم نے تاریخ اسلام کا سبق تو فراموش ہی کر دیا ہے۔ مگر دنیا کی جس قوم کی تاریخ چاہو اٹھا کر دیکھ لو۔ تم کو ایک مثال بھی ایسی نہ ملے گی کہ کسی قوم نے محض سہولت پسندی اور آرام طلبی اور منفعت پرستی سے عزت اور طاقت حاصل کی ہو۔ تم کسی ایسی قوم کو معزز اور سربلند نہ پاؤ گے جو کسی اصول اور کسی ڈسپلن کی پابند نہ ہو، کسی بڑے مقصد کے لیے تنگی اور مشقت اور سختی برداشت نہ کرتی ہو، اور اپنے اصول و مقاصد کے لیے نہ صرف اپنے نفس کی خواہشات کو بلکہ خود اپنے نفس کو بھی قربان کر دینے کا جذبہ نہ رکھتی ہو۔ یہ ڈسپلن اور اصول کی پابندی اور بڑے مقاصد کے لیے راحت و آسائش اور منافع کی قربانی کسی نہ کسی رنگ میں تم کو ہر جگہ نظر آئے گی۔ اسلام میں اس کا رنگ کچھ اور ہے اور دوسری ترقی یافتہ قوموں میں کچھ اور۔ یہاں سے نکل کر تم کسی اور نظام تمدن میں جاؤ گے تو وہاں بھی تم کو اس رنگ میں نہ سہی دوسرے رنگ میں ایک نہ ایک ضابطہ کا پابند ہونا پڑے گا۔ ایک نہ ایک ڈسپلن کی گرفت برداشت کرنی ہی ہوگی۔ چند مخصوص اصولوں کے شکنجے میں بہرحال تم جکڑے جاؤ گے اور تم سے کسی مقصد اور کسی اصول کی خاطر قربانی کا مطالبہ ضرور کیا جائے گا۔ اگر اس کا حوصلہ تم میں نہیں ہے، اگر تم صرف نرمی اور کشادگی اور مٹھاس ہی کے متوالے ہو اور کسی سختی، کسی تنگی اور کسی کڑواہٹ کو گوارا کرنے کی طاقت تم میں نہیں ہے تو اسلام کی قید و بند سے نکل کر جہاں چاہو جا کر دیکھ لو، کہیں تم کو عزت کا مقام نہ ملے گا اور کسی جگہ طاقت کا خزانہ تم نہ پا سکو گے۔ قرآن نے اس قاعدۂ کلیہ کو صرف چار لفظوں میں بیان کیا ہے اور وہ چار لفظ ایسے ہیں جن کی صداقت پر پوری تاریخ عالم گواہ ہے۔ ان مع العسر یسرا۔ یُسر کا دامن ہر حال میں عُسر کے ساتھ وابستہ ہے۔ جس میں عسر کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں، وہ کبھی یُسر سے ہم کنار نہیں ہو سکتا۔

مقالات

مسئلۂ بداء

علم کلام کا ایک تشنۂ تحقیق جزئیہ

(۲)

از جناب مولانا عبداللہ العمادی

(۱۱)

اسلامی مذاہب کی تاریخ شیخ ابو منصور بغدادی (متوفی ۴۲۹ھ) کی کتاب "الفرق بین الفرق" کی اہمیت و عظمت مجمع علیہ تھی، اصل کتاب تو کب کی نایاب ہو چکی، مگر ۶۴۷ میں شیخ عبدالرزاق بن رزق اللہ ابن ابی بکر بن خلف نے اس کی تلخیص کی تھی جس کو بیروت کی امریکی یونی ورسٹی کے استاد فن تاریخ فلیب حتی، ڈ، ف نے کہ نیویارک میں کولمبیا یونی ورسٹی کے پروفیسر بھی رہ چکے ہیں، مصر کے مشہور رسالہ "الہلال" کے مطبع سے ۱۹۲۴ء میں شائع کیا ہے، ابتدا میں ایک مقدمہ بھی ہے اور حواشی بھی ثبت کئے ہیں جو زیادہ تر اختلاف نسخ پر مبنی ہیں، اس کتاب میں مختار بن ابی عبید ثقفی کی وحی کا تذکرہ بھی ہے اور اس کے خیال میں جو وحی اُس پر نازل ہوتی تھی اُس کے متعدد نمونے بھی پیش کئے ہیں۔

مختار پر وحی اتری اس وحی مفروض کی ایک مزعوم آیت ملاحظہ ہو۔

اما ورب السماء لتنزلن نار من السماء فلتحرقن دار اسماء	ہوشیار ہو جاؤ، آسمان کے پروردگار کی قسم ہے کہ آسمان سے حقیقت میں ایک آگ نازل ہوگی جو اسماء کا گھر جلا ڈالے گی۔

اسماء بن خارجہ کوفہ کا ایک سربرآوردہ رئیس تھا جس سے مختار کچھ مشکوک ہوگیا تھا، اس وحی کی خبر جب اس کو ملی تو سمجھ گیا کہ :-

قد سجع بی ابو اسحاق وانہ سیحرق داری

ابو اسحاق نے میری نسبت سخن سازی کی ہے، فی الواقع وہ بہت جلد میرے گھر میں آگ لگا دیگا' (ابو اسحاق مختار کی کنیت تھی) یہ کہا اور گھر چھوڑ کے راہ فرار اختیار کی۔

وحی کی تطبیق فعل سے | و بعث المختار الی دارہ من احرقہا باللیل واظہر من غدہ ان نارًا من السماء نزلت فاحرقتہا۔

مختار نے کسی شخص کو بھیجا جس نے اُسی شب اسماء کے گھر میں آگ لگا دی، صبح کو خبر ملنے پر مختار نے یہ ظاہر کیا کہ آسمان سے آگ نازل ہوئی تھی جس نے اسماء کا گھر جلا ڈالا[1]

(۱۲)

مختار کی جماعت "کیسانی" مشہور تھی، بعد کو اس میں بھی متعدد فرقے ہوگئے باایں ہمہ دو اصول ان سب میں قدر مشترک ہیں !

امامت | احدہما قولہم بامامۃ محمد بن الحنفیۃ والیہ کان یدعو المختار۔

ایک اصل اصول یہ ہے کہ طریقۂ کیسانیہ کے تمام فرقے محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کی امامت کے قائل ہیں، مختار بھی اُنہیں کی امامت کا داعی تھا۔

بداء | والثانی قولہم بجواز البداء علی اللہ[1]۔

دوسرا مشترک عقیدہ ان سب کا یہ ہے کہ "بداء" کے قائل ہیں[2]

---

[1] الفرق بین الفرق ۔ ص ۳۴

[2] " " " ۔ ص ۳۵ و ۳۶

پہلے عقیدہ کی ذیل میں جو لطیفہ پیش آیا سُننے کے قابل ہے۔

امام کا عزم | رُفع خبر المختار الی محمد ابن الحنفیۃ، فخاف من جھۃ الفتنۃ فی الدین، فاراد قدوم العراق لیصیر الیہ الذین اعتقدوا امامتہٗ۔

مختار کے واقعات و حالات جب محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ تک پہونچے تو ڈرے کہ ایسا نہ ہو اس شخص کی وجہ سے اسلام میں فتنہ برپا ہو۔ اسی خوف سے حضرت نے عراق کا قصد کیا کہ جو لوگ آپکی امامت کے معتقد ہیں وہ آپکے گرد جمع ہو جائیں

مقتدی کی تشویش | وسمع المختار ذالک فخاف من قدومہ العراق ذھاب دولتہٖ و ریاستہ، فقال لجندہٖ۔

مختار نے یہ خبر سُنی تو خوفزدہ ہو گیا کہ عراق میں حضرت اگر تشریف لائے تو مختار کی حکومت اور سرداری کا خاتمہ ہو جائیگا، اس بنا پر اپنے سپاہیوں سے کہا :

قتل امام کا حیلہ | انا علی بیعۃ المھدی، و لکن للمھدی علامۃٌ، وھو ان یضرب بالسیف ضربۃً فان لم یقطع السیف جلدہٗ فھو المھدی

امام مہدی کی بیعت پر میں قائم ہوں، مہدی کی ایک شناخت ہے کہ تلوار سے ایک بھرپور وار اُن پر کیا جائے با ایں ہمہ اگر پوستمال تک نہ ہوا تو وہی مہدی ہیں (محمدؓ بن حنفیہ کو مختار کی جماعت امام مہدی کہتی تھی)

فسخ عزم | وانتھی قولہ ھذا الی محمد بن الحنفیۃ فاقام بمکۃ خوفاً من ان یقتلہ المختار بالکوفۃ[1]

محمدؓ بن حنفیہ نے یہ بات سُنی تو مکۂ معظمہ ہی میں ٹھیر گئے، آگے نہ بڑھے، کہ مبادا کوفہ میں پہونچیں تو مختار اسی بہانے کہیں انکو قتل نہ کر ڈالے

———(۱۳)———

ظہور امام کے لیے بے قراری | محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کی امامت میں غلو کرنے والے دوسری صدی ہجری میں

[1] الفرق بین الفرق۔ صفحہ ۳۲ و ۳۳

بہت نمایاں رہ چکے ہیں، سید حمیری اسی طبقہ کے سرخیل تھے جن کا زمانہ حضرت کے ستر برس بعد ہے
ان کو یقین تھا کہ حضرت اب بھی زندہ ہیں، شعب رضوی میں جہاں نظر بند تھے وہیں اب بھی فرشتوں
کی صحبت میں رہتے ہیں، دیکھنا کس درد سے مخاطب کیا ہے۔

الا حیّ المقیم بشعب رضوی واهد له بمنزله السلاما

(وہ جو کوہ رضوی کی گھاٹی میں مقیم ہیں اُن کو سلامتی کی دعا دو اور وہیں ہدیۂ سلام پیش کرو۔)

اَضَرَّ بمعشرٍ والوک منا وسمّوک الخلیفۃ والاماما

(یا حضرت ہم جو آپ کے محب ہیں اور آپ کو خلیفہ و امام مانتے ہیں اُنہیں آپ کی غیبت نے بڑا نقصان پہونچایا

وعادوا فیک اهل الارض طرّاً مُقامک عنهم سبعین عاما

(آپ کے لئے تمام باشندگان روئے زمین سے دشمنی کرلی اپنے ہوا خواہوں سے ستر برس تک آپ کا جدا رہنا
کیا کچھ اُن کے زیاں کا موجب ہوا۔)

شیخ ابو منصور نے اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے[2] مگر سید حمیری کی بے قراری اور درد دل کہاں سے لائے

(۱۴)

| بدا کی شان نزول | دوسرے عقیدہ کی شان نزول سنیئے۔

اما سبب قوله بجواز البدا علی الله فهوان ابراهیم بن مالک الاشتر لما بلغه ان المختار تکهن وادعی نزول الوحی قعد عن نصرته واستولی لنفسه علی بلاد الجزیرة

"جائز ہے کہ اللہ بدا کرے" اس عقیدہ کی ابتدا یوں ہوی کہ سپہ سالار ابراہیم بن مالک اشتر کو جب اطلاع ہوی کہ مختار تو کاہن بن بیٹھا اور نزول وحی کا مدعی ہے، تو ابراہیم بیٹھ رہے
مختار کی امانت سے دستکش ہوگئے، اور الجزیرہ کے علاقہ پر خود قبضہ کر لیا۔

---

[1] فرق الشیعہ۔ ص ۲۷ [2] الفرق۔ ص ۴۰

وعلم مصعب بن الزبير ان ابراهيم بن	مصعب بن الزبیر کو ۔ کہ عراق کے والی تھے
الاشتر لا ينصر المختار فطمع عند ذلك	جب معلوم ہوا کہ ابراہیم اب مختار کی مدد نہ کریں گے
في قهر المختار	تو اُن کو ہوس ہوئی کہ مختار پر غالب آنے کا یہی موقع ہے
مختار سے بیزاری — ولحق به . . اكثر سادات	بیشتر سرداران کوفہ مُصعب کے ساتھ ہوگئے
الكوفة غيظا عليهم على المختار لاستيلائه	یہ لوگ ناخوش تھے کہ مختار نے اُن کے مال و دولت
على اموالهم وعبيدهم واطمعوا مصعباً	اور غلاموں پر قبضہ کرلیا تھا سب نے مل کے مُصعب
في اخذ الكوفة قهرًا ۔	کو لالچ دلایا کہ زبردستی کوفہ پر متصرف ہو جائیں ۔
فخرج مُصعبُ من الكوفة في سبعة آلاف	مُصعب سات ہزار سپاہ لے کے نکلے،
رجل من جنده سوى من انضم اليه	سرداران کوفہ کی جمعیت جو لشکر کے ساتھ شامل ہو گئی
من سادات الكوفة	تھی وہ اس تعداد پر مستزاد تھی
فتح کی وحی — فلما انتهى خبرهم الى المختار	مختار کو جب اس لشکر کشی کی خبر ملی تو احمر بن شمیط
اخرج صاحبه احمر بن شميط الى قتال مُصعب	کو جو اُس کا رفیق اور یار تھا تین ہزار منتخب سپاہ کے ساتھ
ابن الزبير في ثلاثة آلاف رجل من نخبة	مصعب کے مقابلہ کو روانہ کیا سپاہیوں کو یہ بھی اطمینان
عسكره، واخبرهم بان الظفر يكون لهم	دلایا کہ تمہیں فتحیاب ہوگے اور اس باب میں
وزعم ان الوحي نزل عليه بذلك	مجھ پر وحی نازل ہو چکی ہے ۔
وحی پوری نہ ہوئی — فالتقى الجيشان بالمدائن	مدائن میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا،
فانهزم اصحاب المختار وقتل اميرهم	مختار کا لشکر بھاگا، سر لشکر ابن شمیط اور اکثر سرداران
ابن شميط واكثر قواد المختار، ورجع	سپاہ قتل ہوئے بقیۃ السیف بھاگ کے مختار کے
فلولهم الى المختار وقالوا ۔	پاس پہونچے اور اس کو یاد دلایا :

ألم تعدنا بالنصرة على عدونا ؟ — کیا آپ نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ ہم اپنے دشمن پر غالب آئیں گے

فقال :- — مختار نے جواب دیا :

خدا نے بدا کرلیا | ان الله كان قد وعدني ذلك، ولكنه بدا له — اللہ نے مجھ سے یہی وعدہ کیا تھا، لیکن پھر اس نے "بدا" کرلیا

واستدل على ذلك بقوله تعالى: يمحو الله ما يشاء ويثبت۔ — کلام اللہ سے اس پر دلیل پیش کی کہ اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت و برقرار رکھتا ہے

فهذا كان سبب قول الكيسانية بالبداء۱؎ — کیسانی جو بداء کے معتقد ہوئے اس کا یہی سبب تھا۔

(۱۵)

فرقۂ خطابیہ | کیسانیوں سے دوسروں میں بھی یہی عقیدہ متعدی ہوا، سیدنا جعفر صادق علیہ السلام کے بعد کوفہ میں فرقۂ خطابیہ کا ہنگامہ بلند ہوا جس کا سرگروہ ابوالخطاب تھا، عباسیوں کی سلطنت قائم ہو چکی تھی، ابوجعفر منصور کی جانب سے عیسیٰ بن موسیٰ کوفہ کے والی تھے، خطابیوں کی جماعت سے مقابلہ ہوا جن کے پاس اسلحہ نہ تھے، صرف ڈنڈے اور لکڑیاں تھیں، ابوالخطاب نے ان کی ہمت بڑھائی :

لوہے کے مقابلہ میں لکڑی | قاتلوهم فان قصبكم يعمل فيهم عمل الرماح والسيوف ورماحهم وسيوفهم وسلاحهم لا تضركم ولا تعمل فيكم — دشمنوں سے لڑو، تمہاری لکڑیاں ان میں نیزہ شمشیر کا کام کریں گی، ان کے نیزے تلواریں اور ہتھیار نہ تم کو ضرر پہونچائیں گے نہ زخمی کریں گے

یہ حوصلہ افزائی جب کام نہ آئی، ان جانبازوں نے جب شکست کھائی تو ابوالخطاب سے مخاطب ہوئے:

ما ترى، ما يحل بنا من القوم وما نرى قصبنا يعمل فيهم ولا يؤثر وقد عمل سلاحهم فينا وقتل من ترى منا۔ — کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ان لوگوں کے مقابلہ میں ہماری کیا گت بنی، ان میں ہماری لکڑیاں کچھ کام نہیں کرتیں، اثر تک نہیں ہوتا، ان کے ہتھیار

۱؎ الفرق۔ ص ۲۴ و ۲۵

البتہ ہم میں کارگر ہوئے اور آپ خود دیکھ رہے ہیں کہ ہم میں سے کتنوں کو قتل کر ڈالا۔

لکرمی نے بدا کی آڑ پکڑی | عام روایت کے مطابق ابو الخطاب نے اس کی نسبت یہ معذرت پیش کی :

ان کان قد بدا اللہ فیکم فما ذنبی[۱] — تمھارے معاملہ میں اگر اللہ ہی نے بدا کر لیا تو میرا کیا گناہ ہے۔

(۱۶)

فرقہ سلیمانیہ | شیعۂ زیدیہ میں ایک فرقہ سلیمان بن جریر سے منسوب ہے اور سلیمانیہ کے نام سے مذکور ہے۔ یہ فرقہ مفضول کی خلافت کا قائل تو ہے مگر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرتا ہے[۲]۔ علامہ نوبختی نے سلیمان بن جریر کا ایک تاریخی مقولہ نقل کیا ہے جس کی درشتی کو حتی الوسع نرم کرتے ہوئے اس ذیل میں درج کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں :

نقش سلیمانی | لوگوں نے ائمۂ اہل بیت علیہم السلام کی نسبت دو ایسے عقیدے بنا رکھے ہیں جن کے ہوتے ہوئے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

ان میں ایک تو عقیدۂ بدا ہے۔

اور دوسرا تقیہ

بدا کے ذریعہ جھوٹ کو سچ ثابت کرتے ہیں

اور تقیہ کے سہارے "حافظ نباشد" کا ثبوت دیتے ہیں[۳]

(۱۷)

متکلمین کا مذہب | ابن الخطیب الرازی معتقدین بدا کا یہ عقیدہ نقل کرتے ہیں :

---

[۱] فرق الشیعہ۔ ص ۵۹ ۔ [۲] الفرق ۔ ص ۳۲ و ۳۳ ۔ [۳] مقالۃ سلیمان بن جریر وھو الذی قال لاصحابہ بھذا السبب ان الائمۃ وضعوا لشیعتھم مقالتین لا یظھرون معھما من ائمتھم علی کذب ابدا بقیہ حاشیہ (صفحہ مقابل)

البداء جائز على الله تعالى وهو ان يعتقد شيئاً ثم يظهر له ان الامر بخلاف ما اعتقده۔

اللہ تعالیٰ کے لیے بدا جائز ہے یعنی پہلے کسی چیز کا یقین ہوتا ہے پھر کیفیت ظاہر ہوتی ہے کہ جو یقین کیا تھا واقعہ اس کے خلاف ہے۔

وتمسکوا فیه بقوله :- یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ :-

اس کی دلیل کلام اللہ سے پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے

پھر اس پر تبصرہ کرتے ہیں :

واعلموا ان هذا باطل لان علم الله من لوازم ذاته المخصوصة، وما کان کذلك کان

یہ اعتقاد محض باطل ہے، اللہ کا علم اللہ کی ذات خاص کے لوازم سے ہے، جہاں یہ صورت

وهما القول بالبداء واجازة التقیة فاما البداء فان ائمتهم لما احلوا انفسهم من شیعتهم محل الانبیاء من رعیتها فی العلم فیما کان ویکون والاخبار بما یکون فی غد وقالوا لشیعتهم انه سیکون فی غد وفی غابر الایام کذا وکذا فان جاء ذلك الشیء علی ما قالوه قالوا لهم: الم نعلمکم ان هذا یکون فنحن نعلم من قبل الله عز وجل ما علمته الانبیاء وبیننا وبین الله عز وجل مثل تلك الاسباب التی علمت بها الانبیاء عن الله ما علمت وان لم یکن ذلك الشیء الذی قالوا انه یکون علی ما قالوا قالوا لشیعتهم بدا لله فی ذلك۔ واما التقیة فانه لما کثرت علی ائمتهم مسائل شیعتهم فی الحلال والحرام وغیر ذلك من صنوف ابواب الدین فاجابوا فیها وحفظ عنهم شیعتهم جواب ما سألوهم وکتبوه ودونوه ولم یحفظ ائمتهم تلك الاجوبة لتقادم العهد وتفاوت الاوقات لان مسائلهم لم ترد فی یوم واحد ولا فی شهر واحد بل فی سنین متباعدة واشهر متباینة واوقات متفرقة فوقع فی ایدیهم فی المسألة الواحدة اجوبة مختلفة متضادة وفی مسائل مختلفة اجوبة متفقة فلما وقفوا علی ذلك منهم ردوا الیهم هذا الاختلاف والتخلیط فی جواباتهم وسألوهم عنه وانکروه علیهم فقالوا من این هذا الاختلاف وکیف جاز ذلك قالت لهم ائمتهم انما اجبنا بهذا للتقیة ولنا ان نجیب بما احببنا وکیف شئنا لان ذلك الینا ونحن نعلم بما یصلحکم وما فیه بقاؤنا وبقاؤکم وکف عدوکم عنا وعنکم فمتی یظهر من هؤلاء علی کذب ومتی یعرف لهم حق من باطل۔ فرق الشیعة ص ۵۵، ۵۶

دخول التغیر والتبدل فیہ محالا[۱]

ہوئی وہاں اس میں تغیر و تبدل محال ہوگا[۱]

علامہ صفار لکھتے ہیں :

بدا ایک نقص بشریت ہے | اما البداء فھو ترک ما عزم علیہ۔

"بدا" یہ ہے کہ جس کام کے کرنے کا عزم کیا تھا اس کو ترک کر دیں۔

کقولک: فامض الی فلان، ثم تقول: لاتمض الیہ فیبدو لک عن القول۔

مثلاً تم کسی سے کہو کہ فلاں کے پاس جاؤ، پھر کہو: نہ جاؤ، تم سمجھے کہ پہلا حکم مصلحت کے مخالف تھا، لہذا اس کے برعکس دوسرا حکم دیا؟

وھذا یلحق البشر لنقصانھم۔

ناقص ہونے کے باعث ایسی دورنگی انسان ہی کو پیش آسکتی ہے[۲]

―(۱۸)―

مذہب شیعہ اہل بیت | شیعہ اہل بیت علیہم السلام بدا کو ایک مخصوص مذہبی رکن قرار دیتے ہیں، ابو جعفر محمد بن یعقوب الکلینی نے اپنی کتاب التوحید میں "بدا" کا ایک خاص باب کھولا ہے جس کی پہلی حدیث یہ ہے کہ ما عبد اللہ بشیء مثل البداء اور دوسری حدیث میں ہے کہ ما عظم اللہ بمثل البداء یعنی بدا ء اللہ تعالیٰ کی عبادت یا اس کی تعظیم کا بہترین وسیلہ ہے کوئی دوسری شے ایسی نہیں[۳]

علامہ کلینی | محدثین شیعہ میں ابو جعفر کلینی بڑے پایہ کے بزرگ ہیں، کتاب الوجیزہ میں ان کو ثقۃ الاسلام کا خطاب دیا ہے اور تیسری صدی ہجری کا مجدد ملت امامیہ قرار دیا ہے، غیبت صغریٰ کے زمانہ میں بیس برس تک اس کتاب کی تالیف میں سرگرم رہے، امام علیہ السلام کے سفیروں سے ہدایت ہوا کرتی تھی تکمیل کے بعد امام قائم قیامت مہدی منتظر علیہ السلام پر پیش کی حضرت نے استحسان فرمایا اور حسن قبول کی عزت بخشی، ماہ شعبان ۳۲۹ھ میں وفات پائی، اس کتاب کی کچھ روایتیں ملاحظہ ہوں :

بدا کی حقیقت | عن ابی عبد اللہ علیہ السلام

ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ

۱۔ مفاتیح الغیب۔ طبع ۱۳۰۸ھ امرہ مصر ج ۵ ص ۲۱۶ ۔ ۲۔ الناسخ والمنسوخ۔ طبع ۱۳۲۳ھ مطبع سعادۃ مصر ص ۱۰

۳۔ الاصول من کتاب الکافی طبع ۱۳۰۲ھ۔ لکھنؤ ص ۸۴

قال: ان الله علمين علم مكنون مخزون لا يعلمه الا هو۔ من ذلك يكون البداء۔ وعلم علمه ملائكته ورسله وانبياءه فنحن نعلمه۔

کہ دو علم ہیں ایک علم مخفی جسے وہی جانتا ہے دوسرا کوئی نہیں جانتا۔ "بدا" اسی علم میں داخل ہے۔ دوسرا علم وہ ہے کہ اللہ نے اپنے فرشتوں اور پیغمبروں کو اس کی تعلیم دی ہے ہم اس علم سے آگاہ ہیں ۱؎

مالک جہنی روایت کرتے ہیں:

بدا کا ثواب

سمعت اباعبدالله عليه السلام يقول: لو علم الناس ما في القول بالبداء من الاجر ما فتروا عن الكلام فيه۔

میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بدا کے قائل ہونے میں جو اجر و ثواب ہے لوگ اگر اس کو جانتے تو اس قول سے باز نہ رہتے

مرازم بن حکیم کہتے ہیں:

بدا شرط نبوت

سمعت اباعبدالله عليه السلام يقول: ما تنبأ نبي قط حتى يقر لله بخمس بالبداء والمشية والسجود والعبودية والطاعة۔

ابو عبداللہ علیہ السلام کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تک کسی پیغمبر نے اللہ تعالیٰ کے لئے پانچ صفات کا اقرار نہ کرلیا اس وقت تک پیغمبری نہ ملی: بدا کا اقرار، مشیت کا اقرار، سجدہ و فروتنی کا اقرار، بندگی کا اقرار، عبادت کا اقرار۔

ریان بن الصلت کی روایت ہے:

بعثت انبیاء باقرار بدا

سمعت الرضا عليه السلام يقول: ما بعث الله نبياً قط الا بتحريم الخمر وان يقر لله بالبداء۔

امام رضا علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے میں نے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی پیغمبر ایسا نہیں بھیجا جس نے شراب کو حرام اور اللہ تعالیٰ کے لئے بدا کا اقرار نہ کیا ہو

۱؎ الاصول من کتاب الکافی۔ طبع ۱۳۰۲۔ لکھنؤ ص ۸۵ تا ص ۸۶۔

بحث کی تنقیح تفقہ اور تکلم کا زمانہ ہمیشہ عہد روایات و عصر احادیث کے بعد آیا کرتا ہے۔ اخباریین جب ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی روایات کا سرمایہ فراہم کر چکے تو علم خلاف و کلام کی جانب متوجہ ہوئے، اسی ذیل میں "بدا" کی نوبت بھی آئی تھی۔

ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری (متوفی ۳۲۴) کی کتاب مقالات الاسلامیین واختلاف المصلین ایک جرمن مستشرق (ہم۔ ریتر) نے استنبول کے سرکاری مطبع سے ۱۹۲۹ میں شائع کی ہے اس میں سوال اٹھایا ہے کہ : ھل الباری یجوز ان یبدو له اذا اراد شیئا ام لا۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے جب کچھ ارادہ کر لیا تو کیا اس ارادہ سے پھرنا اس کے لئے روا ہے یا ناروا؟) جواب میں لکھتے ہیں کہ شیعۂ اہل بیت علیہم السلام کے تین فرقے اس باب میں تین مختلف عقیدے رکھتے ہیں۔

خدا پابند بدا فالفرقة الاولی منهم یقولون ان الله تبدو له البداوات۔

پہلا فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بدا پیش آتا ہے۔

وانه یرید ان یفعل الشیء فی وقت من الاوقات ثم لا یحدثه یحدث له من البداء۔

کسی وقت وہ کچھ کرنا چاہتا ہے پھر بدا پیش آتا ہے یعنی پہلا ارادہ خلاف مصلحت معلوم ہوتا ہے اس بنا پر اس کو ترک کر دیتا ہے۔

بدا نے شریعت منسوخ کر دی وانه اذا امر بشریعة ثم نسخها فانما ذلك لانه بدا له فیها۔

اللہ تعالیٰ نے جب ایک شریعت کا حکم دیا پھر اس کو منسوخ کر دیا، تو اس کا سبب یہ تھا کہ بدا پیش آیا۔

وان ما علم انه یکون ولم یطلع علیه احداً من خلقه فجائز علیه البداء فیه۔

اللہ کو جس کے ہونے کا علم ہو مگر مخلوقات میں کسی کو اپنے علم سے مطلع نہ کیا ہو تو اللہ تعالیٰ کے لیے اس میں بدا جائز ہے۔

خلق نے جان لیا تو بدا نہ ہوگا وما اطلع علیه عباده فلا یجوز علیه

لیکن اگر اس نے اپنے بندوں کو اطلاع دیدی ہے

البداء منه

فریق ثانی | والفرقة الثانية منهم يزعمون انه جائز على الله البداء فيما اعلم انه يكون حتى لا يكون وجوزوا ذلك فيما اطلع عليه عباده وانه لا يكون لما جوزوه فيما لم يطلع عليه عباده

کہاں بداء اور کہاں خدا | والفرقة الثالثة منهم يزعمون انه لا يجوز على الله عزوجل البداء وينفون ذلك عنه تعالیٰ

تو پھر اس صورت میں بدا جائز نہیں

دوسرے فرقہ کے زعم میں اللہ تعالیٰ کے لیے بدا جائز ہے جس باب میں اس کو علم تھا کہ یہ صورت ہوگی اس میں وہ بدا کر سکتا ہے کہ ایسی صورت نہ ہو اللہ نے اپنے بندوں کو جس کی اطلاع دیدی اس میں بھی بدا کو جائز رکھتے ہیں لیکن جس باب میں اطلاع نہ دی ہو وہاں تجویز کے مطابق صورت نہ ہوگی۔

تیسرا فرقہ اللہ تعالیٰ کے لئے بدا جائز نہیں رکھتا اور اس کی قطعی نفی کرتا ہے[1]

(۲۰)

فلسفۂ امامیہ | علامہ باقر داماد متوفی ۱۰۴۰ھ نے "نبراس الضیاء" میں ما بدا لله بداء كما بدا له في اسماعيل اذ امر اباه بذبحه ثم فداه بذبح عظيم (اللہ نے اسماعیلؑ کے باب میں جیسا بداء کیا ایسا کوئی بدا نہیں، پہلے تو ابراہیم علیہ السلام کو اسماعیلؑ کے ذبح کرنے کا حکم دیا، پھر اُن کے بدلہ ایک بڑی قربانی کی) پر مفصل گفتگو کی ہے اور "قبسات" کے دسویں قبس میں فلسفہ سے اس عقیدہ کی توجیہ فرمائی ہے لیکن اس "کشف غطا" میں بڑا ہاتھ اسفار اربعہ کا ہے جو فلسفہ کی نہایت جامع تصنیف اور عقاید شیعہ اثنا عشریہ کی تائید وتثبیت میں حیرت انگیز فلسفی استدلال پر حاوی ہے ۱۲۸۲ میں یہ کتاب چھپی تھی، اس کی تیسری جلد میں (ص ۸۹ - ۹۱) فلسفہ کے زور سے عقیدۂ بداء کو ثابت کیا ہے۔

دلائل فلسفیہ | فرماتے ہیں کہ :

[1] مقالات الاسلامیین ، ص ۳۹

(۱) آسمانی طبقات میں اللہ کے ایسے بندے ہیں جن کے تمام افعال بلکہ ارادات تک اللہ ہی کیلئے ہیں
(۲) الوح سماء پر احکام قضا و قدر ثبت ہیں جن کے لکھنے والے کرام کاتبین ہیں
(۳) بداء انہیں آسمانی الواح پر کرام کاتبین سے ہوتا ہے۔

فظہر ان التجدد فی العلوم والاحوال لضرب من الملائکۃ وھم الکرام الکاتبون سائغ غیر ممتنع ولا مستبعد[۱]

اس بحث کے بعد یہ امر واضح ہوگیا کہ علم اور واقعہ کی ذیل میں جونئی صورت یعنی بدا کی شکل پیش آتی ہے اس کا تعلق فرشتوں کی صنف سے ہے کہ وہی کرام کاتبین ہیں، اس کی خوشگواری میں کچھ کلام نہیں کیوں کہ کوئی استبعاد عقلی استدلالی اس میں نہیں ہے۔

—— (۲۱) ——

"بداء کا سروکار اللہ تعالیٰ شانہ کی سرکار سے ہے، یا فرشتوں کے دربار سے، یا کسی سے بھی نہیں" یہ مرحلے اس مضمون کی منزل مقصود سے بالکل جدا ہیں۔

اس مضمون کا مفاد محض اس قدر ہے کہ آجکل جو نازک مزاج طبیعتیں کلام اللہ میں ناسخ و منسوخ کے نام سے چیں بر جبیں ہو جاتی ہیں، وہ نسخ اور بداء میں فرق نہیں کرتیں،

نسخ اور ہے، بداء اور ہے، گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر
فرقے است ز آب خضر کہ ظلمات جائے اوست
تا آب ما کہ منبعش اللہ اکبر است

---

[۱] اسفار اربعہ ـ سفر ثالث ـ ص ۹۰ ـ

بشارات الانبیاء

نبوت محمدی کے متعلق انبیائے سابقین کی پیشین گوئیاں

(۲)

از جناب مولوی فضل حق صاحب

جن پیشین گوئیوں کو مسیحیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق کیا ہے ان میں سے پہلی پیشین گوئی وہ ہے جو انجیل متی باب اول میں بیان کی گئی ہے۔

پہلی پیشین گوئی | یہ سب کچھ ہوا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا پورا ہو کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام عمانوایل رکھیں گے جس کا ترجمہ یہ ہے خدا ہمارے ساتھ (آیہ ۲۲-۲۳)

یہاں جس نبی کی پیشین گوئی کا حوالہ دیا گیا ہے، وہ علمائے نصرانیت کی تصریح کے مطابق یسعیاہ علیہ السلام ہیں۔ کتاب یسعیاہ کے ساتویں باب میں یہ پیشین گوئی ان الفاظ کے ساتھ پائی جاتی ہے۔

"باوجود اس کے خداوند آپ تمکو ایک نشان دے گا۔ دیکھو کنواری حاملہ ہوگی اور اس کا نام امانوایل رکھے گی۔" (آیہ ۱۴)

لیکن حضرت عیسیٰ اس پیشین گوئی کے مصداق نہیں ہوسکتے جس کے وجوہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) انجیل متی کے مصنف اور کتاب یسعیاہ کے مترجم نے جس لفظ کا ترجمہ کنواری کیا ہے وہ دراصل "علمہ" ہے جس کے معنیٰ علماء یہود کے نزدیک جوان عورت کے ہیں خواہ کنواری ہو یا نہ ہو یہی لفظ کتاب الامثال کے تیسویں باب میں آیا ہے۔ اور وہاں صاف طور پر اس سے مراد شادی شدہ جوان

عورت ہے۔ نیز کتاب یسعیاہ کے اس لفظ کا ترجمہ تینوں یونانی ترجموں تھیوڈوشن Theodotion ایکولا (Aquilla) اور سمیکس ((Symmachus) میں جوان عورت کیا گیا ہے۔ یہ تینوں ترجمے قدیم ترین ہیں پہلا ترجمہ سنہ ۱۲۹ء میں ہوا ہے۔ دوسرا سنہ ۱۷۵ء میں اور تیسرا سنہ ۲۰۰ء میں خصوصاً تھیوڈوشن کا ترجمہ علما مسیحیہ کے نزدیک سب سے زیادہ معتبر ہے۔ پس علمائے یہود کی تفسیر اور ان تینوں ترجموں کی بنا پر متی کی رائے کا فساد ظاہر ہے۔

(۲) مسیح علیہ السلام کا نام کسی نے بھی عمانوایل نہیں رکھا نہ اُن کے باپ نے اور نہ اُن کی والدہ نے بلکہ انہوں نے ان کا نام یسوع رکھا تھا۔ انجیل متی میں تصریح ہے کہ فرشتہ نے اُن کے باپ کو خواب میں جو بشارت دی تھی اُس میں یہی کہا تھا کہ تو اس کا نام یسوع رکھیگا۔ (متی باب ۱۔ آیہ ۲۱) اور جبرئیل نے اُن کی ماں سے کہا تھا۔

"دیکھ تو حاملہ ہو گی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام یسوع رکھے گی"

(لوقا باب ۱۔ آیہ ۳۰)

خود حضرت مسیح نے ابھی کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میرا نام عمانوایل ہے

(۳) جس قصہ میں یہ پیشین گوئی بیان ہوئی ہے۔ اُس سے خود یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اس کے مصداق نہیں ہو سکتے کیونکہ وہاں بیان یہ ہے کہ آرام کا بادشاہ رضین اور اسرائیل کا بادشاہ فقح دونوں ملکر یروشلم کے بادشاہ آخز بن یوتام سے لڑنے کے لئے آئے۔ آخر کو ان کے اجتماع سے بہت خوف لاحق ہوا اس پر خداوند نے یسعیاہ نبی کو حکم دیا کہ آخز کا دل بڑھانے کے لئے اس سے کہے کہ تو خوف نہ کر یہ دونوں تجھ پر غالب نہ آئیں گے اور عنقریب ان کی سلطنت مٹ جائیگی پھر ان کی بربادی کی علامت یہ بتائی کہ ایک جوان عورت حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور قبل اس کے کہ وہ لڑکا نیک و بد میں تمیز کرنے کے قابل ہو ان دونوں بادشاہوں کی سلطنت

تباہ ہو جائیگی۔ (ملاحظہ ہو کتاب یسعیاہ باب ۷۔آیہ۔ ۱تا۱۶) یہ ثابت ہے کہ فقع کی حکومت اس کے بعد اکیس برس کے اندر تباہ ہو گئی یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے (۷۲۱) سات سو اکیس برس پہلے کا واقعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اُس پیشین گوئی کا حضرت عیسیٰ سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔

(۴) اناجیل سے یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ حمل کے وقت حضرت مریم کنواری (بن بیاہی) تھیں کیونکہ ان میں یہ تصریح ہے کہ وہ یوسف نجار کے نکاح میں آچکی تھیں چنانچہ حضرت عیسیٰ کے ہمعصر یہودی اُن کو یوسف نجار کا بیٹا کہتے تھے۔ (انجیل متی باب ۱۳۔ آیہ ۵۵۔ انجیل یوحنا باب ۱۔ آیہ۔ ۴۵ و باب ۶ آیہ۔ ۴۲)

دوسری پیشین گوئی انجیل متی باب ۲ میں لکھا ہے "تب اُس نے سب سردار کاہنوں اور قوم کے فقیہوں کو جمع کر کے اُن سے پوچھا کہ مسیح کہاں پیدا ہوگا۔ انہوں نے اس سے کہا کہ یہودیہ کے بیت لحم میں کیونکہ نبی کی معرفت یوں لکھا ہے کہ اے بیت لحم یہوداہ کی سرزمین تو یہوداہ کے سرداروں میں ہرگز کمترین نہیں ہے۔ کیونکہ تجھ میں سے ایک سردار نکلے گا جو میری قوم اسرائیل کی رعایت کرے گا (آیہ ۴ تا ۶)

اس پیشین گوئی کو جس نبی کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ میکاہ ہے، لیکن میکاہ نبی کی کتاب میں جو الفاظ پائے جاتے ہیں وہ متی کے الفاظ سے بالکل مختلف ہیں۔ وہاں لکھا ہے:۔

"پر اے بیت لحم افراتاہ ہرچند کہ تو یہوداہ کے ہزاروں میں شامل ہونے کے لئے چھوٹا ہے، تب بھی تجھ میں سے وہ شخص نکلکر مجھ پاس آوے گا جو اسرائیل میں حاکم ہوگا۔ اور اس کا نکلنا قدیم سے ایام الازل سے ہے"

(باب ۵۔ آیہ ۲)

علمائے نصاریٰ خود محسوس کرتے ہیں کہ دونوں عبارتوں میں کتنا فرق ہے۔ مگر اپنے بچاؤ کے لئے انہوں نے یہ پہلو اختیار کیا ہے کہ کتاب میکاہ میں تحریف ہوئی ہے۔ حالانکہ نہ تو تحریف کا کوئی ثبوت

ان کے پاس ہے، نہ وہ یہ بتا سکتے ہیں کہ میکاہ کی اصل عبارت کیا تھی جس کو بعد میں بدلا گیا۔

تیسری پیشین گوئی | انجیل متی باب ۲ آیت ۱۵ میں ہے۔

"اور ہیرودیس کے مرنے تک وہاں رہا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا پورا ہو کہ میں نے اپنے بیٹے کو مصر سے بلایا"

اس کو حضرت مسیح کے حق میں ہوسیع نبی کی پیشین گوئی کہا جاتا ہے۔ مگر کتاب ہوسیع کے باب (۱۱) آیت (۱) میں یہ عبارت اس طرح ہے:-

"جب اسرائیل لڑکا تھا میں نے اس کو عزیز رکھا اور اپنے بیٹے کو مصر سے بلایا

صاف ظاہر ہے کہ یہ ان احسانات کے سلسلہ میں بیان ہوا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں بنی اسرائیل پر کیے گئے تھے۔ ہوسیع کا جو ترجمہ ۱۸۱۱ء میں بزبان عربی کیا گیا تھا۔ اس میں اپنے بیٹے کے بجائے "اس کے (یعنی اسرائیل کے) بیٹوں" کا لفظ لکھا تھا۔ مگر اس تحریف کے باوجود اس عبارت کو مسیح علیہ السلام پر کسی طرح چسپاں نہیں کیا جا سکتا۔ ہوسیع نبی نے تو اس آیت کے بعد بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور ان کی بت پرستی اور بعلیم کے آگے ان کی قربانیوں کا ذکر کیا ہے اور بنی اسرائیل کو ملامت کی ہے کہ خدا نے تم پر وہ احسانات کیے اور تم نے ان کے جواب میں یہ حرکات کیں۔ اس کو پیشین گوئی اور وہ بھی مسیح علیہ السلام کے حق میں کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے۔ توراۃ سے یہ ثابت ہے کہ بنی اسرائیل نے بابل کی اسیری سے رہا ہو کر بت پرستی سے توبہ کر لی تھی اور یہ حضرت مسیح کی پیدائش سے ۵۳۶ برس قبل کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد وہ کبھی اصنام کے آگے سربسجود نہیں ہوئے۔ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ ہوسیع نبی کا قول مسیح کی پیدائش سے بہت پہلے کے واقعات سے تعلق رکھتا ہے

چوتھی پیشین گوئی | انجیل متی کا مصنف مسیح کی پیدائش کے واقعات اور ہیرودیس بادشاہ کے قتل اطفال کا ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے:-

تب وہ جو یرمیاہ نبی نے کہا تھا پورا ہوا کہ رامہ میں ایک آواز سننے میں آئی ہے نالہ اور رونے اور بڑے ماتم کی کہ راخل اپنے لڑکوں پر روتی اور تسلی نہیں چاہتی اس لئے کہ وے نہیں ہیں

(باب ۲- آیت ۱۷- ۱۸)

یہاں پھر تحریف سے کام لیا گیا ہے، کیونکہ یہ مضمون یرمیاہ باب ۳۱- آیت ۱۵ میں آیا ہے" اور وہاں اس سے پہلے اور بعد کی آیات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق ہیرودیس کے واقعہ سے نہیں بلکہ بخت نصر کے اس واقعہ سے ہے جو یرمیاہ نبی کے زمانے میں پیش آیا تھا، جس میں ہزاروں اسرائیلی مارے گئے اور ہزاروں بابل کی طرف جلاوطن کیے گئے۔ ان لوگوں میں ایک کثیر تعداد آل راحیل کی تھی، اس لئے راحیل کی روح عالم برزخ میں اس حادثہ پر تڑپنے لگی۔ اور حق تعالیٰ نے اس کو تسلی دینے کے لئے فرمایا کہ "اپنی زاری کو روک اور اپنی آنکھوں کو آنسوؤں سے باز رکھ کہ تیری محنت کے لئے اجر ہے خداوند کہتا ہے اور وے دشمنوں کی زمین سے پھر آئیں گے اور تیری عاقبت کی بابت اُمید ہے خداوند کہتا ہے کہ تیرے لڑکے اپنی سرحد میں پھر داخل ہوں گے

(یرمیاہ باب ۳۱- آیت ۱۶- ۱۷)

پانچویں پیشین گوئی | انجیل متی باب ۲- آیت ۲۳ میں پھر لکھا ہے۔

"اور ایک شہر میں جس کا نام ناصرت تھا جا کے رہا کہ وہ جو نبیوں نے کہا تھا پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائے گا"

مگر عہد عتیق کے مجموعہ میں انبیاء کی جتنی کتابیں ہیں ان میں سے کسی میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے علمائے یہود نے تو متی کی اس عبارت پر سخت حملے کئے ہیں۔ وہ اس کو قطعی جھوٹ اور بہتان قرار دیتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے تو یہ ثابت کیا ہے کہ ناصرہ تو درکنار جلیل کے پورے علاقے میں کبھی کوئی نبی پیدا ہی نہیں ہوا۔ (دیکھو یوحنا باب ۷- آیت ۵۲)

چھٹی پیشین گوئی | انجیل متی باب ۲۷ آیت ۹ میں مسیح کے صلیب دیے جانے کا ذکر کرنیکے بعد لکھا ہے

"تب وہ جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا پورا ہوا کہ انہوں نے وہ تیس روپے لئے اسکی ٹھیرائی ہوئی قیمت جس کی قیمت بنی اسرائیل میں سے بعضوں نے ٹھیرائی"۔

یہ مضمون نہ کتاب یرمیاہ میں ہے اور نہ عہد عتیق کی کسی دوسری کتاب میں۔ البتہ ذکریاہ نبی کی کتاب میں ایک جگہ یہ الفاظ ضرور ملتے ہیں۔

"اور میں نے انہیں کہا کہ اگر تمہاری نظر میں بھلا لگے تو میری قیمت مجھے دو اور نہیں تو مت دو اور انہوں نے میرے مول کی بابت تیس روپے تول کے دیے اور خداوند نے مجھے حکم دیا کہ اسے کمہار پاس پھینک دے اس اچھی قیمت کو جو انہوں نے میری ٹھیرائی تھی اور میں نے ان تیس روپیوں کو لیا اور خداوند کے گھر میں کمہار کے لیے پھینک دیا" (باب ۱۱ آیۃ ۱۲-۱۳)

یہ عبارت اور اس سے قبل و بعد کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیش گوئی نہیں بلکہ ایک گذرے ہوئے واقعہ کا بیان ہے اور ان دراہم کا لینے والا ذکریاہ خود تھا، نہ کہ یہوداہ اسکریوتی

ساتویں پیشین گوئی | انجیل متی کے باب ۱۳ میں حضرت عیسیٰ کے تمثیلی کلام کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

"یہ سب باتیں یسوع نے ان جماعتوں کو تمثیلوں میں کہیں اور بے تمثیل ان سے نہ بولتا تھا تاکہ جو نبی نے کہا تھا پورا ہو کہ میں تمثیلیں لاکر کلام کرونگا میں ان باتوں کو جو دنیا کے شروع سے پوشیدہ ہیں ظاہر کروں گا۔ (آیت ۳۴ - ۳۵)

یہاں زبور کی اس عبارت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو کتاب ۷۸ میں اسطرح لکھی ہوئی ہے:

"میں اپنا منہ کھول کر ایک تمثیل کہونگا اور میں رازکی باتوں کو جو قدیم سے ہیں ظاہر کرونگا جنہیں ہم نے سنا ہے اور جانا اور ہمارے باپ داداؤں نے ہم سے بیان کیا۔ ہم ان کی اولاد سے پوشیدہ نہ رکھیں گے بلکہ آیندہ کی پشت پر خداوند کی ستایش اور اس کی

قدرتیں اور اس کے عجائب کام جو اس نے کیے ظاہر کریں گے، کیونکہ اس نے یعقوب میں ایک
شہادت قائم کی اور بنی اسرائیل میں ایک شریعت رکھی جس کی بابت اس نے ہمارے باپ دادوں
کو حکم کیا کہ وے اسے اپنی اولاد کو سکھلاویں تاکہ آنیوالی پشت وے فرزند جو پیدا ہوویں سکھیں اور
اور وے اُٹھ کے اپنی اولاد کو سکھلاویں اور وے خدا پر توکل کریں اور خدا کے کاموں کو بھلا نہ دیں
بلکہ اس کے حکموں کو حفظ کریں اور اپنے باپ دادوں کی طرح ایک شریر اور سرکش نسل نہ ہوں ایسی
نسل کہ جس نے اپنا دل مستعد نہ کیا اور اُن کے جی خدا سے لگے نہ رہے (آیت ۲ تا ۹)

اس عبارت کو پڑھیئے اور غور کیجئے کہ یہاں داؤد علیہ السلام کسی آنے والے نبی کی پیشین گوئی
کر رہے ہیں یا خود اپنے متعلق بیان کر رہے ہیں کہ میں ایسا اور ایسا کرونگا؟ اس کے بعد آیت ۱۰ سے
لیکر ۶۵ تک وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور بنی اسرائیل کی شرارتوں اور
ان کے عواقب کا مسلسل ذکر فرماتے ہیں، پھر کہتے ہیں :

تب خداوند اس شخص کیطرح جو نیند سے چونکے اور اس پہلوان کی مانند جو مے کے نشہ میں ہو اٹھا اور اس نے
اپنے دشمنوں کی پچھاڑی ماری اور اس نے انہیں سدا کا ننگ کیا اور اس نے یوسف کے خیمے کو
رد کیا اور افرائیم کے فرقے کو چن نہ لیا، پر اس نے یہوداہ کے فرقہ کو اور کوہ صیہون کو جو اس کا
محبوب تھا برگزیدہ کیا اور اس نے اپنے مقدس کو آسمان سا بلند بنایا اور زمین کی مانند جس کی
نیو اس نے ہمیشہ کے لئے رکھی اور اسنے اپنے بندے داؤد کو برگزیدہ کیا اور گلوں کے بھیڑسالوں
میں سے اسے نکال لیا، اس نے اُسے بچوں والی بھیڑوں کے پیچھے سے لیا تاکہ اپنے لوگوں
نبی یعقوب کو اور بنی اسرائیل کو جو اس کی میراث ہیں چراوے سو اس نے انہیں اپنے دل کی
راستی سے چرایا اور اپنے ہاتھوں کی چالاکی سے ان کی رہنمائی کی۔

(آیہ ۶۵ تا ۷۲)

یہ آیات اس بات پر صاف دلالت کر رہی ہیں کہ زبور ۷ بالکل حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں ہے اور حضرت عیسیٰ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

آٹھویں پیشین گوئی | انجیل متی باب ۴ میں لکھا ہے:۔"

جب یسوع نے سنا کہ یوحنا گرفتار ہوا تب جلیل کو چلا گیا اور ناصرت کو چھوڑ کر کفرناحوم میں جو دریا کے کنارے زبولون اور نفتالی کی سرحدوں میں ہے جا رہا کہ جو یسعیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا پورا ہو، زبولون کی سرزمین اور نفتالی کی سرزمین یعنی غیر قوموں کا جلیل جو دریا کی راہ یردن کے پار ہے، ان لوگوں نے جو اندھیرے میں بیٹھے تھے بڑی روشنی دیکھی اور ان پر جو موت کے ملک اور سایہ میں بیٹھے تھے نور چمکا" (آیہ ۱۲ تا ۱۶)

یہ اشارہ ہے کتاب یسعیاہ باب ۹ کی اس عبارت کی طرف:۔

"لیکن تیرگی وہاں نہ رہیگی جہاں آگے کو سپت پڑی تھی کہ اس نے پہلے زبلون کی سرزمین کو اور نفتالی کی سرزمین کو ذلت دی پر آخری زمانہ میں غیر قوموں کے جلیل میں دریا کے سمت یردن پار بزرگی دی۔ وے لوگ جو تاریکی میں چلتے تھے، انہوں نے بڑی روشنی دیکھی اور ان پر جو موت کے سایہ کے ملک میں رہتے تھے نور چمکا۔ (آیہ ۱ تا ۲)

ان دونوں عبارتوں میں فرق ظاہر ہے اور ان میں سے ایک محرف ہے۔ قطع نظر اس کے یسعیاہ نبی کے کلام میں کسی آیندہ شخص کے ظاہر ہونے پر کوئی دلالت نہیں ہے وہ تو صرف یہ بیان کراتے ہیں کہ زبلون اور نفتالی کے باشندوں کا حال پہلے خراب تھا پھر اچھا ہو گیا، جیسا کہ ماضی کے صیغوں "ذلت دی" "بزرگی دی"، "روشنی دیکھی"، اور "نور چمکا" سے ظاہر ہو رہا ہے، اگر ہم اس کو مجازاً مستقبل کے معنی میں بھی لیں تو زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں یہ یہاں روشنی کے دیکھے جانے اور نور کے چمکنے سے مراد ان کی سرزمین سے صلحاء کا گزرنا ہے۔ اس خبر کو تنہا عیسیٰ علیہ السلام پر چسپاں

کرنا سراسر تحکم ہے۔ اس کی تائید میں دلیل کوئی نہیں۔

یہ اُن پیشین گوئیوں کا حال ہے جن کو مسیحیوں کی مقدس کتابوں میں عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ ان میں جو کمزوریاں ہیں وہ آپ نے دیکھ لیں مگر وہی مسیحی علماء جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس سے بدرجہا زیادہ صریح پیشین گوئیوں پر نکتہ چینیاں کرتے ہیں ان کا مادۂ تنقید اس وقت مفلوج ہو جاتا ہے جب یہ پیشین گوئیاں اُن کے سامنے آتی ہیں۔

۷۔ ترجموں کی تحریفات | اگلے اور پچھلے اہل کتاب کی عادت رہی ہے کہ وہ اکثر ناموں کا ترجمہ کر ڈالتے ہیں اور کتابوں کے ترجمے کرتے وقت اصل ناموں کے بجائے اُن کے معانی لکھ دیا کرتے ہیں پھر یہ بھی ان کی عادت ہے کہ وہ کتابوں کے تراجم میں تفسیر کے طور پر عبارتیں بڑھا دیتے ہیں اور کوئی ایسا اشارہ نہیں کرتے جس سے معلوم ہو سکے کہ اصل کلام کیا تھا اور اس میں کیا اضافہ کیا گیا۔ کتب قدیمہ کی تحریف میں اُن کی اِس عادت کا بھی بڑا حصہ ہے۔ مختلف زبانوں میں جو ترجمے ہوئے ہیں بلکہ ایک ہی زبان میں جو مختلف اڈیشن شایع ہوئے ہیں اُن کے مقابلہ سے بکثرت شواہد اس کے مل سکتے ہیں۔ میں نمونہ کے طور پر چند مثالیں یہاں نقل کرتا ہوں:-

(۱) سنہ ۱۶۲۵ء اور سنہ ۱۸۳۱ء اور سنہ ۱۸۴۴ء میں توراۃ کے جو عربی ترجمے شائع ہوئے ہیں اُن میں حضرت ہاجرہؑ کے کنوئیں کا نام "بیر الحی الناظر" لکھا گیا ہے۔ اور سنہ ۱۸۳۰ء میں جو اُردو ترجمہ امریکن بائبل سوسائٹی کی طرف سے شائع ہوا ہے اس میں اسی کوئیں کا نام 'بیر الحی رائی' لکھا گیا ہے۔ (کتاب پیدائش باب ۱۶۔ آیہ ۱۴) دونوں جگہ ایک ہی چیز کے ناموں میں کس قدر تفاوت ہے۔ عربی میں اصل نام کا ترجمہ کر دیا گیا اردو میں ایک غیر زبان کا نام نقل کر لیا گیا۔

(۲) سنہ ۱۸۱۱ء میں جو عربی ترجمہ شائع ہوا تھا اس میں حضرت ابراہیم کے تعمیر کردہ مکان کا نام مرحم اللہ یراءہ لکھا ہے سنہ ۱۸۴۴ء کے ترجمہ میں اسی کا نام الرب یریٰ ہے (دیکھو سفر تکوین باب ۲۲۔ آیت ۱۴) دونوں جگہ اصل عبرانی نام کے دو مختلف ترجمے کر دیے گئے۔

(۳) کتاب پیدائش باب ۳۱ - کی آیہ ۲۰ کا عربی ترجمہ ۱۸۴۴ء کے ایڈیشن میں اسطرح ہے: فلتم یعقوب امرہ عن حمید - اور ۱۸۲۵ء میں جو اردو ترجمہ شائع ہوا ہے اس میں لکھا ہے کہ "یعقوب نے لابن ارامی سے اتنی دغا کی کہ اپنے بھاگنے کی خبر اس سے نہ کہی" ایک جگہ حمی کا لفظ ہے اور دوسری جگہ "لابن ارامی" دونوں کو ایک دوسرے سے کیا نسبت۔

(۴) اسی کتاب پیدائش کے باب ۴۹ - آیت ۱۰ کا عربی ترجمہ ۱۸۴۴ء کے ایڈیشن میں اس طرح کیا گیا ہے: فلا یزول القضیب من یہوذا والمدبر من فخذہ حتی یجی الذی لہ الکل وایاہ تنتظر الامم۔ یہاں "الذی لہ الکل" جس لفظ کا ترجمہ کیا گیا ہے وہ شیلوہ ہے مگر ۱۸۱۱ء کے ترجمے میں اسی لفظ کا ترجمہ الذی ہو لہ کیا گیا تھا۔ عیسائیوں کے مشہور محقق لیکلرک نے اسی لفظ کا ترجمہ عاقبتہ کیا ہے ۱۸۲۵ء کے اردو ترجمے میں "شیلا" لکھا ہے اور لاطینی ترجمے میں اسی کو (جو عنقریب بھیجا جائیگا) کردیا گیا ہے۔ دیکھئے ایک ہی لفظ کے کتنے مختلف تراجم کئے گئے حالانکہ یہ لفظ اس شخص کے نام کے طور پر آیا تھا جس کی بشارت دی گئی تھی۔

(۵) کتاب خروج کے باب ۳ - آیت ۱۴ کا پہلا فقرہ ۱۸۴۴ء کے عربی ترجمے میں اسطرح لکھا ہے: فقال اللہ لموسیٰ اھیہ اشر اھیہ - یہ لفظ "اھیہ اشر اھیہ" گویا بمنزلہ اسم ذات تھا۔ مگر ۱۸۱۱ء کے عربی ایڈیشن میں اس کا ترجمہ الازلی الذی لایزال کیا گیا' اور ۱۸۴۴ء کے اردو ترجمے میں "میں وہ ہوں جو میں ہوں" کردیا گیا۔

(۶) خروج باب ۱۵ آیت ۱۱ کا آخری فقرہ ۱۸۴۴ء کے عربی ترجمے میں یوں ہے تبتی فی الھم فقط مگر ۱۸۱۱ء کے ترجمے میں اسی فقرے کا ترجمہ تبتی فی اللیل فقط کیا گیا تھا

(۷) خروج باب ۱۷ - آیت ۱۵ کا ترجمہ ۱۸۴۴ء کے عربی ایڈیشن میں یوں کیا گیا ہے: فابتنی موسیٰ مذبحاً ودعا اسمہ الرب عظمتی - ۱۸۱۱ء کے ترجمے میں اس مذبح کا نام اللہ علی لکھا گیا تھا

ایک اور ترجمے میں اس کو الرب رائینی سے تعبیر کیا گیا۔ یہ عبرانی نام یہواہ نبی کے مختلف ترجمے ہیں۔

(۸) خروج باب ۳۰۔ آیت ۲۳ میں جہاں حضرت موسیٰ کو خوشبودار تیل بنانے کا نسخہ بتایا گیا ہے وہاں ۱۸۶۰ء کے اردو ترجمے میں "خالص مُر" لکھا ہے، ۱۸۴۴ء کے عربی ترجمے میں میعۃ فائقہ ہے اور ۱۸۳۱ء کے ترجمے میں المسك الخالص۔ اور ترجمہ جزویت میں المرالقاطر۔ اس چیز کا اصل عبرانی نام تو بہرحال ایک ہی ہوگا مگر اس کو مترجموں نے کتنے مختلف المعنی ناموں سے تعبیر کر دیا۔

(۹) استثناء باب ۳۴۔ آیت ۵ میں حضرت موسیٰ کو ۱۸۴۴ء کے عربی ترجمے میں "موسی عبدالرب" لکھا گیا ہے اور ۱۸۱۱ء کے ترجمہ میں موسی رسول اللہ۔ عبد اور رسول کا فرق ظاہر ہے۔ ایسے مترجموں نے اگر بشارات محمدیہ میں لفظ رسول اللہ کو کسی لفظ سے بدل دیا ہو تو کیا تعجب ہے۔

(۱۰) متی باب ۱۱۔ آیت ۱۴ کا ترجمہ ۱۸۱۱ء اور ۱۸۴۴ء کے ایڈیشنوں میں فھو ایلیا المزمع ان یاتی کیا گیا ہے اور ۱۸۱۶ء کے ایڈیشن میں فھٰذا ھو المزمع بالاتیان کر دیا گیا، یعنی ایلیا کا نام اڑا کر محض نام کے ترجمہ پر اکتفا کر لیا گیا۔ ایسے لوگوں نے اگر کسی بشارت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو بھی دوسرے الفاظ سے بدل ڈالا ہو تو کیا عجب!

(۱۱) یوحنا باب ۴ آیت ۱ کا پہلا فقرہ ۱۸۱۱ء، ۱۸۳۱ء اور ۱۸۴۴ء کے عربی ترجموں میں لما علم یسوع ہے اور ۱۸۱۶ء اور ۱۸۶۰ء کے ترجموں میں لما علم الرب۔ ایک ہی نام کا ترجمہ ایک شخص یسوع کرتا ہے اور دوسرا رب یا خداوند۔ ایسے لوگوں نے اگر عناد کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو بھی تحقیری الفاظ سے بدل دیا ہو تو کیا بعید ہے!

یہ مثالیں تو اس امر کی تھیں کہ بائبل کے ترجموں میں اکثر ناموں کا ترجمہ کر کے کچھ سے کچھ کر دیا گیا ہے۔ آیئے اب چند نظریں اس امر کی بھی دیکھئے کہ اصل کلام کے ساتھ تفسیری فقروں کو کس طرح خلط ملط کیا گیا ہے:

۱۔ انجیل متی باب ۲۷ - آیت ۴۶ میں ہے : "نویں گھنٹے کے قریب یسوع نے بڑے شور سے چلا کر کہا ایلی ایلی لما سبقتانی یعنی اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے کیوں مجھے چھوڑ دیا"۔ یہ آخری فقرہ جو یعنی کے بعد لکھا گیا ہے یقیناً الحاقی ہے۔

۲۔ مرقس باب ۳ - آیت ۱۷ میں ہے "جنھیں بوانرجس نام رکھا یعنی بنی رعد"۔ یہ "یعنی بنی رعد" عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کا کوئی ٹکڑا نہیں ہے بلکہ بطور تفسیر بڑھا دیا گیا ہے۔

۳۔ مرقس باب ۵ - آیت ۴۱ میں ہے : "اور اس لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر اسے کہا طالیتھا قومی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے لڑکی میں تجھے کہتا ہوں اٹھ"۔ یہاں پھر عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کو تفسیری الفاظ کے ساتھ گڈمڈ کر دیا گیا ہے۔

۴۔ انجیل مرقس باب ۷ - آیت ۳۴ کا ترجمہ ۱۸۶۰ء کے اردو ایڈیشن میں اس طرح ہے : "اور آسمان کی طرف نظر کر کے ایک آہ کی اور اسے کہا افتاح یعنی کھل جاؤ"۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور کے ترجمے میں افتاح کے بجائے افتح ہے۔ ۱۸۳۱ء کے عربی ترجمہ میں افثا، ۱۸۱۱ء کے ترجمے میں افاثا، ۱۸۴۴ء کے ترجمہ میں ایفتح۔ اور شاہ جیمز کی بائبل میں Ephphatha ہے۔ یہاں اول تو یہی پتہ نہیں چلتا کہ حضرت عیسیٰ نے دراصل کیا کہا تھا۔ پھر یعنی کے بعد مختلف ترجموں میں جو فقرے بڑھائے گئے ہیں وہ اصل کلام سے خارج اور الحاقی ہیں۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ کی زبان عبرانی تھی اور ان کے اقوال جو یونانی میں نقل کئے گئے ہیں وہ ان کے اصل اقوال نہیں بلکہ ان کے ترجمے ہیں۔

۵۔ انجیل یوحنا باب اول آیت ۴۱ میں ہے "ہم نے مسیح کو جس کا ترجمہ کرستس ہے پا لیا"۔ یہ ۱۸۶۰ء کا ترجمہ ہے۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور کے شائع کردہ ترجمہ میں یہ فقرہ اس طرح ہے : "ہم کو خرستس یعنی مسیح مل گیا"۔ ۱۸۳۱ء اور ۱۸۴۴ء کے عربی ترجمے میں اس کو یوں لکھا ہے

قد وجدنا مسیا الذی تاویلہ المسیح"۔ اور فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۶ء میں ہے "ما مسیح را کہ ترجمہ آن کرسطوس می باشد یافتیم"۔ اور شاہ جیمز کی انگریزی بائبل میں ہے۔

We have found the Messias which is being interpreted the Christ

ان ترجموں کا اختلاف قابل غور ہے۔ اردو کے پہلے ترجمے اور فارسی ترجمے سے معلوم ہوتا ہے کہ اندریاس نے دراصل "مسیح" کا لفظ استعمال کیا تھا۔ اور اس کا ترجمہ "کرستس" یا "کرسطوس" ہے۔ عربی ترجمے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے "مسیا" کا لفظ استعمال کیا تھا۔ اور اس کا ترجمہ "مسیح" ہے۔ انگریزی ترجمے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے مسیاس" کہا تھا اور اس کا ترجمہ کرائسٹ" ہے۔ اردو کا دوسرا ترجمہ ان سب سے مختلف ہے۔ اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ اندریاس نے "خرستس" کہا تھا اور اس کا ترجمہ "مسیح" ہے۔ اب یہ پتہ نہیں چلتا کہ اصل لفظ کیا کہا گیا تھا "مسیا" یا "مسیح" یا "کرستس"؟ مترجموں نے اصل لفظ اور اسکی تفسیر کو جس طرح خلط ملط کیا ہے ظاہر ہے۔

۶۔ اس کے بعد والی آیت میں پطرس کے متعلق مسیح علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا گیا ہے۔:
تو کیفاس کہلاویگا جس کا ترجمہ پطرس ہے"۔ یہ ۱۸۷۰ء کا اردو ترجمہ ہے۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور کا شایع کردہ ترجمہ یہ ہے: "تو کیفا یعنی پطرس کہلائیگا"۔ ۱۸۱۱ء کا عربی ترجمہ یہ ہے انت تدعی بیطرس الذی تاویلہ الصخرۃ"۔ ۱۸۸۱ء کا عربی ترجمہ یہ ہے: "ستسمی انت بالصفا المفسر بیطرس"۔ ۱۸۱۶ء کا فارسی ترجمہ: ترا بکیفاس کہ ترجمہ آن سنگ است ندا خواہند کرد"۔ شاہ جیمز کی انگریزی بائبل میں یوں لکھا ہے۔ **thou shalt be called Cephas whic is by interpretation a stone**

یہاں پھر اصل اور تفسیر کے خلط ملط ہونے کی ایک بدترین مثال ملتی ہے۔ نہیں معلوم ہوتا کہ مسیح نے کیفاس یا کیفا یا صفا یا سیفاس کہا تھا اور اس کا ترجمہ پطرس یا پتھر ہے' یا انہوں نے دراصل پطرس" کہا تھا اور اس کا ترجمہ پتھر ہے؟

ان مثالوں سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ لوگ ناموں کے ترجمے کرنے اور ان کو من مانے مفہومات سے بدل ڈالنے، اور اپنی کتابوں کے متن کو تفسیروں سے خلط ملط کر دینے کے خوگر رہے ہیں جس سے ان کی کتابیں تحریفات کا مجموعہ بن گئی ہیں۔ اور جب حال یہ ہے تو ہم کیا امید کر سکتے ہیں کہ ان کے ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ذکر آیا ہوگا اس کو انہوں نے اپنی اصل پر باقی رکھا ہوگا۔

یہاں تو تحریف کی عادت کے ساتھ عناد اور کتمان حق کا جذبہ بھی شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کو امام قرطبی اور دوسرے علمائے سلف کی کتابوں میں جو پیشین گوئیاں ملتی ہیں وہ موجودہ زمانے کے مشہور ترجموں میں ان الفاظ کے ساتھ نظر نہیں آتیں۔ کیونکہ ان بزرگوں نے اپنے زمانے کے عربی ترجموں میں ان کو پایا تھا اور اب وہ ترجمے بدل کر کچھ سے کچھ کر دیئے گئے ہیں۔

۸۔ پال کا کوئی قول حجت نہیں | اہل تثلیث نے سینٹ پال کو حواریوں کا مرتبہ دیا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک وہ مومن صادق نہیں ہے بلکہ ہم اسے ان منافقوں اور جھوٹے مدعیان رسالت میں سے سمجھتے ہیں جو عروج مسیح کے بعد بکثرت ظاہر ہو گئے تھے۔ اُسی نے دین مسیحی کو خراب کیا اور اپنے معتقدوں کے لیے ہر حرام چیز کو مباح کر دیا۔ ابتداء میں وہ مسیحیوں کے طبقۂ اول کا کھلا دشمن تھا اور ان کو اذیتیں پہنچاتا تھا مگر جب اس نے دیکھا کہ اس کھلی دشمنی سے کوئی معتد بہ فائدہ نہیں ہوتا تو وہ نفاق کی راہ سے اس دین میں داخل ہو گیا اور مسیح کی رسالت کا دعویٰ کیا اور بظاہر ایک زاہدانہ روش اختیار کی۔ اس پردے میں اس نے جو چاہا کیا' اور اہل تثلیث نے اس وجہ سے اس کی پیروی قبول کر لی کہ وہ بظاہر اس کو نہایت زاہد اور پرہیزگار پاتے تھے' اور اس سے بھی بڑھ کر جس چیز کی وجہ

سے وہ اس کے فریفتہ ہو گئے وہ یہ تھی کہ اس نے ان کو تمام تکالیف شرعیہ سے آزاد کر دیا۔ ۲۱
کا معاملہ ویسا ہی ہے جیسا دوسری صدی مسیحی میں منتش کے ساتھ پیش آیا جو ایک زاہد مرتاض تھا
اور جس نے دعویٰ کیا تھا کہ میں ہی وہ فارقلیط ہوں جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ بہت سے
عیسائیوں نے اس کے ظاہری زہد و ریاضت کو دیکھ کر اس کے دعوے کو قبول کر لیا، حالانکہ تحقیق
سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک مدعی کذاب تھا، جیسا کہ آگے چل کر ثابت کیا جائے گا۔

پس سینٹ پال کا کوئی قول ہمارے لئے حجت نہیں ہے اور ہم اس کے ان رسائل کو جو
عہد جدید کے مجموعہ میں شامل ہیں ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں۔

ان مقدمات کو بیان کرنے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں جو تحریفات
ہوئی ہیں ان سب کے باوجود اب بھی ان کے ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بہت سی پیشین گوئیاں
پائی جاتی ہیں۔ جو شخص انبیاء کی پیشین گوئیوں کے انداز کو سمجھ لیگا (جیسا کہ ہم اپنے دوسرے مقدمہ
میں بیان کر چکے ہیں) اور انصاف کی نظر سے ان پیشین گوئیوں کی شان پر غور کریگا جن کو انجیل
کے مصنفوں نے حضرت عیسیٰ کے حق میں قرار دیا ہے۔ (جیسا کہ ہم اپنے چھٹے مقدمہ میں ظاہر کر چکے ہیں)
وہ بآسانی اندازہ کر لیگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جو پیشین گوئیاں پائی جاتی ہیں وہ کس
قدر قوی اور واضح ہیں۔

اب ہم اہل کتاب کی معتبر کتابوں سے ۱۸ پیشین گوئیاں نقل کریں گے۔ (باقی)

تنزیل و تاویل

تفسیر سورۂ کوثر

(۶)

تالیف علامہ حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی مدیر الاصلاح اعظم گڈھ

سورۃ پر بحیثیت مجموعی ایک نظر ۱۵۔ جو تاویل ہم نے اوپر بیان کی ہے، اگر تم اس کو صحیح تسلیم کر کے اس سورہ پر بحیثیت مجموعی ایک نظر ڈالو گے اور ان آیات کے تمام حدود و اطراف پر غور کرو گے تو تمہارے سامنے چند اہم حقیقتیں آئیں گی۔

۱۔ آنحضرت صلعم وراثت ابراہیمی کے وارث ہیں اور آپ کی بعثت دعائے ابراہیمی کی قبولیت کا ظہور و اعلان ہے۔

۲۔ یہ عطیہ اللہ تعالیٰ نے خائنوں اور ناشکروں سے چھین لیا کیونکہ ایسے لوگ خدا کے مبغوض ہیں جیسا کہ سورۂ حج میں بیان فرمایا ہے۔

۳۔ اس عطیہ سے محرومی ایک مخصوص صفت کا نتیجہ قرار دی گئی ہے جس سے اس کی اصل علت بھی واضح ہوگئی یعنی پیغمبرؐ سے دشمنی خدا کی برکتوں سے محرومی کا سبب ہے

۴۔ یہ محرومی و نامرادی اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے لیے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ وراثت ابراہیمی کے وارث ہیں وہ اس کے دوست ہوں گے یعنی یہ وراثت اہل حق اور اصحاب باطل کے درمیان ایک نشان امتیاز ہے۔ جو اس سے محروم ہوں گے ان کا شمار دشمنوں میں ہوگا او

جو اس سے سرفراز ہوں گے ان کا شمار دوستوں میں ہوگا۔

۵۔ جب نماز اور قربانی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی دوستی اور محبت کا نشان قرار دیا ہے تو لازماً ان کا ترک اس کی دشمنی کی دلیل ہوگا۔ اور مشرکین، اور یہود و نصاریٰ اور اس امت کے تمام مبتدعین اس کے اعداء کے حکم میں داخل ہوں گے۔ کیونکہ ان میں سے بعض نے نماز کا استخفاف کیا ہے اور بعض نے حج کا اور بعض دونوں ہی سے دست بردار ہو گئے ہیں۔ پس جو لوگ نماز، قربانی اور حج کو ضائع کر دیں گے وہ پیغمبر علیہ السلام کے دشمن ہوں گے اور یہود و نصاریٰ کی طرح وراثت ابراہیمی سے محروم اور ذلیل و پامال ہوں گے۔ لیکن اسلام پر اللہ تعالیٰ کا مخصوص فضل و کرم ہے کہ اہل حق و اصحاب سنت کی ایک جماعت اس کی خدمت کے لیے باقی ہے جو انشاء اللہ فروغ پائے گی۔ اور اسلام کی عزت و شوکت کا ذریعہ ہوگی۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ — اگر تم منہ موڑ لوگے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم کھڑی کرے گا۔ پھر وہ تمہاری طرح نہ ہوگی۔

ان تفصیلات سے واضح ہوگیا کہ یہ سورہ ایک طرف فتح مکہ کی بشارت ہے دوسری طرف اس میں آنحضرت صلعم کے دشمنوں کے لیے وراثت ابراہیمی سے محرومی کی تہدید و وعید ہے۔ اس کا اول و آخر بالکل مقابلہ کے اسلوب پر ہے اور بیچ کا حصہ گویا برزخ کی طرح دونوں طرف سے متعلق ہے یعنی جو لوگ توحید پر قائم رہ کر نماز اور قربانی کو قایم کریں گے وہ کوثر کی نعمت سے سرفراز ہوں گے۔ اور جو ان کو ترک کریں گے، وہ کوثر سے محروم ہوں گے۔ اس سورہ کی مثال ایک ترازو کی ہے جس میں دو پلڑے ہیں اور بیچ میں اس کی زبان ہے۔ ایک پلڑے میں خیر کثیر کی گراں مایہ دولت ہے اور دوسرے میں محرومی و نامرادی کی ذلت۔ یا یوں سمجھو کہ ایک طرف وجود ہے اور دوسری طرف عدم اور جس طرح میزان کی زبان وزن کی طرف جھکتی ہے اسی طرح بیچ کی آیت، پہلی آیت کی طرف جھکتی ہے

اِس لیے اِن دونوں کے درمیان "ف" کے ذریعہ ربط قائم کیا گیا ہے۔ برعکس اس کے تیسری آیت بالکل علٰحدہ ہے۔ گویا سورۃ کا اسلوب ہی اعلان کر رہا ہے کہ حوض کوثر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین اور جان نثاروں کا مخصوص حصہ ہے۔ آپ کے اعداء اور مخالفین اس نعمت گرانمایہ سے محروم ہوں گے

امت محمد صلعم کے لیے رضوان الٰہی کی بشارت

۱۶۔ اوپر گذر چکا ہے کہ جس طرح یہ محرومی آپ کے تمام دشمنوں کے لیے عام ہے اسی طرح یہ بخشش آپ کے لیے اور آپ کی اُمّت کے لیے عام ہے۔ اس لیے یہ بشارت کفر پر اسلام کے غلبہ ہی کی بشارت نہیں ہے، بلکہ قیامت کے دن آپ کی امت پر رحمت و رضوان الٰہی کی جو بارش ہوگی اس کی بشارت بھی اس میں مضمر ہے اور آخرت میں حوض کوثر کا بخشنا اسی حقیقت کی ایک تعبیر ہے

اس سورہ میں جو پیشین گوئی مضمر تھی۔ اس کے واقع ہو جانے کے بعد گویا اس امر کا اعلان ہو گیا کہ مسلمان خدا کے ایمان و تصدیق کی کسوٹی پر پورے اترے اور خدا نے ان سے راضی ہو کر ان کو قوموں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے چن لیا۔ انبیاء کے حالات اور قرآن کی تصریحات سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبوت کا آغاز مصایب اور صبر کے ماحول میں ہوتا ہے اور اس کی انتہا برکات اور اجر پر ہوتی ہے۔ اس لیے مکہ کی فتح نے اعلان کر دیا کہ مسلمان خانہ کعبہ کے متولی اور خدا کی زمین میں دین حق کے گواہ ہیں۔ یہ گویا اس وعدہ کا ظہور ہے جو فرمایا گیا تھا۔

وعد اللّٰہ الذین اٰمنوا منکم	جو تم میں سے ایمان لائے اور نیکو کار ہوئے ان سے
وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنّھم فی الارض	ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ جس طرح ان سے پہلے کے لوگوں
کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکّنن	کو اس نے خلافت دی تھی اسی طرح ان کو بھی زمین میں
لھم دینھم الذی ارتضٰی لھم ولیبدّلنّھم	خلافت دیگا اور ان کے لیے اس دین کو محکم کرے گا
من بعد خوفھم امنًا ۔ یعبدوننی	جسے اس نے ان کے لیے پسندیدہ ٹھیرایا ہے اور ان

ولا یشرکون بی شیئاً ومن کفر بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون	کی خوف کی حالت کو امن و اطمینان سے بدل دیگا وہ لوگ صرف میری بندگی کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہ ٹھیرائیں گے۔ اور ان انعامات کے بعد جس کسی نے کفر کیا تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

یہی وہ وعدہ تھا جس کو "انا اعطیناک الکوثر" کہکر پورا کر دیا۔ ان دونوں آیتوں میں خاص طرح کا تشابہ ہے۔ اس کے بعد فرمایا ہے واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ۔ نماز قایم کرو اور زکواۃ دو۔ جو "فصل لربک وانحر" سے لگتی ہوئی ہے۔ پھر فرمایا۔ واطیعوا الرسول لعلکم ترحمون۔ رسول کی اطاعت کرو کہ تم پر خدا رحم فرمائے۔ یہ آیۃ جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے "ان شانئک ھو الابتر" سے مشابہ ہے۔

بالکل یہی حال سورۂ فتح کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے امت مرحومہ کے لیے امن و رحمت اور رضوان و مغفرت، نیز ارض مقدس پر غلبہ کے جو وعدے فرمائے تھے، یہ سورہ تمام تر الٰہی وعدوں کی تکمیل و ظہور کی بشارت ہے۔ انبیاء کے صحیفوں اور خصوصاً زبور اور امثال سلیمان میں بھی یہ وعدہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید کی بعض آیات میں اس کی طرف اشارہ ہے مثلاً۔

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون	اور ہم نے زبور میں ذکر کے بعد لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

یہاں زمین سے مراد وہ "ارض مقدس" ہے جو ارض جنت کی مثال ہے اور آل عمران اور سورہ فیل کی تفسیر میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ شرف و تقدم کی جو مزیت مکۂ معظمہ کو حاصل ہے وہ اس آسمان کے نیچے زمین کے کسی ٹکڑے کو حاصل نہیں ہے۔ پس سورۂ کوثر کے نزول کے وقت وعدۂ وراثت کا ظہور شروع ہو چکا تھا یہاں تک کہ وہ پورا ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس زمین "کفار کے ہاتھوں سے چھین کر مسلمانوں

کے ہاتھوں میں دیدی اور اس طرح گویا اعلان کر دیا کہ اللہ کے نیک بندے اور الذین امنوا وعملوا الصلحت کے مصداق وہی ہیں اس لیے زمین کی خلافت وحکومت کے مستحق ہوئے۔

اس وعدہ کے ظہور نے آنحضرت صلعم کے متعلق اس بشارت کی بھی تصدیق کر دی جو حضرت موسیٰ نے دی تھی کہ جب نبی موعود آئیگا تو ارض مقدس کو کفار کے غلبہ واستیلاء سے پاک کریگا۔ بنی اسرائیل میں جتنے انبیاء وسلاطین آئے ان میں سے کسی کے عہد میں بھی اس پیشنگوئی کی تصدیق نہیں ہوئی۔ ان کے تمام صحیفے اس دعوے کی تصدیق کرتے ہیں اس لئے یہود ایک ایسے پیغمبر کے منتظر تھے جو ارض مقدس کو کفار کے استیلاء سے پاک کرے۔ قرآن مجید نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

ولما جاءھم کتاب من عند اللہ مصدق لما معھم وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ۔	اور جب ان کے پاس اللہ کے پاس سے ایک کتاب آئی جوان کی کتابوں کی تصدیق کرتی تھی اور حال یہ تھا کہ وہ پہلے سے کافروں پر فتح کے طلبگار تھے توجب وہ چیز ان کے پاس آگئی جس کو وہ پہچانتے تھے۔ انہوں نے اس کا انکار کر دیا۔

نبوت محمدی صلعم کی ایک دائمی دلیل

۷۔ یہ سورۃ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں، اس امر کا اعلان کر رہی ہے کہ کوثر سے محرومی کی علت پیغمبر صلعم کی عداوت ہے۔ اس اعتبار سے یہ ایک متصل اور دائمی دلیل ہے۔ یہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے، کہ وہ کسی خاص سرزمین کے متعلق یہ اعلان کردے کہ اس پر اس کی سلطنت ہمیشہ قائم رہیگی اور اس کے اعداد اس سرزمین سے ہمیشہ محروم رہیں گے۔ زمانہ کے سیل حوادث کا کون مقابلہ کر سکتا ہے؟ بڑی بڑی بادشاہتیں اور بڑے بڑے سلاطین اس کے بہاؤ میں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔ لیکن قرآن نے سورۂ کوثر میں جو اعلان کیا اس کو زمانہ اب تک باطل نہ کر سکا۔ اس لیے یہ عظیم الشان پیشین گوئی ایک طرف مسلمانوں کے لئے ایک

لازوال بشارت ہے دوسری طرف اس میں خاتم النبین کی نبوت کی ایک دائمی اور غیر فانی حجت ہے اور یقیناً یہ تمام اُن پیشین گوئیوں سے کہیں بڑھ کر ہے جن کی عمریں ختم ہو چکیں مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کی وہ پیشین گوئیاں جن کی طرف قرآن مجید نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے۔

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ — اور تمھیں پہلے سے بتادوں گا جو تم کھاؤ گے اور جو کچھ تم اپنے گھروں میں جمع کرو گے۔

یا دانیال و حزقیل نبی کی پیشین گوئیاں جن کے ظہور کا اب تک انتظار ہے۔ آنحضرت صلعم کی بعثت ہمیشہ کے لیے تھی اس لئے چند روزہ پیشنگوئیاں آپ کی شان رسالت سے فروتر تھیں۔ آپ آخری نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک طرف آپ کے ظہور سے بہت سی اگلی پیشین گوئیوں کی تصدیق فرمائی دوسری طرف آپ کو ہمیشہ باقی رہنے والی حجتوں سے سرفراز فرمایا۔

پھر پیشینگوئی کا کمال اعجاز یہ ہے کہ وہ ظاہری حالات کے بالکل خلاف ہو۔ اس پیشینگوئی میں یہ شان کمال درجہ موجود ہے۔ یہ سورۃ جیسا کہ روایات سے ثابت ہے صلح حدیبیہ کے دن نازل ہوئی جس میں بظاہر غلبہ کفار کو حاصل ہوا تھا۔ صلح کی تمام شرطیں تقریباً ان کے موافق تھیں یہاں تک کہ بعض صحابہ نے علانیہ اس سے اختلاف کیا۔ اور آنحضرت صلعم کے سامنے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا۔ معاہدہ کے بعض الفاظ کو کفار کے اصرار و اختلاف سے آنحضرت صلعم نے مٹانے کا حکم دیا تو بعض صحابہ نے اسکی تعمیل سے انکار کر دیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس روز کے ظاہری حالات اس قسم کی پیشنگوئی کے بالکل خلاف تھے۔ یہ پیشین گوئی بالکل اسی قسم کی تھی جیسی آپ نے رومیوں کے غلبہ کے بارہ میں فرمائی تھی۔ وہ بھی جیسا کہ ہم تفصیل لکھ چکے ہیں ظاہری حالات کے بالکل خلاف تھی۔

حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے اس نبوت کی جن خصوصیات کی طرف اشارہ کیا ہے

ازانجملہ یہ بھی ہے کہ اس کی پیشنگوئیاں جلد تر پوری ہوں گی یہاں تک کہ لوگ ان کو دیکھ کر اس کے نبی ہونے کا یقین کریں گے۔ تثنیہ ۱۸ میں ہے۔

"میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ جیسا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا۔ وہ سب ان سے کہیگا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو، جنہیں وہ میرا نام لیکے کہیگا نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔ لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے حکم نہیں دیا۔ اور معبودوں کے نام کے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ میں کیونکر جانوں کہ یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں ہ؟ تو جان رکھو کہ جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور جو اس نے کہا ہے واقع نہ ہو یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی بلکہ اس نبی نے گستاخی سے کہی ہے اس سے مت ڈر۔" یوحنا باب ۱۶ میں ہے۔

لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا۔ لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا۔ اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔

چنانچہ اس سورہ کے نزول کے کچھ ہی دنوں بعد مکہ فتح ہوا۔ اور مسلمانوں کے لیے یہ پیشین گوئی ایک لازوال بشارت اور کفار کے لیے ایک دائمی انداز وعید کی شکل میں پوری ہوگئی۔ ان تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھکر، غور کرو اس میں آنحضرت صلعم کی رسالت کی صداقت کی کیسی اہم حجتیں مضمر ہیں۔

حضرت ابراہیم سے اللہ کا وعدہ اور اس کی تصدیق ۸۔ پچھلی فصلوں میں جو مباحث گذرے ہیں ان سے یہ حقیقت بالکل روشن ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلعم اور آپ کے اتباع کو خیر کثیر کی دولت بخشی اور آپ کے اعداء کو اس لیے محروم فرمایا۔ یہ بعینہ اس وعدہ کی تکمیل ہے جو خدا نے حضرت ابراہیمؑ سے فرمایا تھا کہ تمام اہل زمین ان کی ذریت سے برکت پائیں گے۔ اور جو ان پر برکت بھیجے گا وہ مبارک ہوگا۔ اور جو لعنت بھیجیگا وہ ملعون ہوگا۔ یہ دونوں باتیں اس سورۃ میں موجود ہیں پہلی بات "اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ" میں موجود ہے۔ اور

دوسری بات اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ہیں۔ دونوں باتوں کو پیش نظر رکھکر غور کرو تو تم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آنحضرت صلعم میں ایک نمایاں شابہت نظر آئیگی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت و رحمت مقتضی ہوئی کہ تمام برکات کا سرچشمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بنائے چنانچہ حضرت نوحؑ کے بعد تمام آسمانی برکتوں کے وارث وہی ہوئے جیسا کہ فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ	اللہ تعالیٰ نے آدم، نوح اور آل ابراہیم اور
وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ	آل عمران کو تمام عالم پر برگزیدہ کیا۔

"آل عمران" بھی ذریت ابراہیم میں شامل ہیں۔ اس لیے خدا کی رحمتوں اور برکتوں کے لیے گویا تمام عالم میں صرف آل ابراہیم کا انتخاب ہوا۔ پھر حضرت ابراہیمؑ کے واسطہ سے تمام اہل زمین کو برکت دینے کا وعدہ کیا گیا۔

تکوین میں باب ۱۲ میں ہے۔

"اور خداوند نے ابرام کو کہا تھا کہ تو اپنے ملک اور قرابتوں کے درمیان سے اور اپنے باپ کے گھر سے اس ملک میں جو میں تجھے دکھلاؤں گا، نکل چل۔ اور میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤنگا۔ اور تجھکو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا۔ اور تو ایک برکت ہو گا۔ اور ان کو جو تجھے برکت دیتے ہیں، برکت دونگا اور اس کو جو تجھ پر لعنت کرتا ہے، لعنتی کروں گا۔ اور دنیا کے سب گھرانے تجھ سے برکت پائیں گے۔"

یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت فرمایا ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مروہ کی طرف ہجرت فرمائی ہے جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کی جگہ ہے۔ اس لیے اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ عام برکت کا وعدہ ان کی ذریت کے واسطے سے پورا ہو گا۔ چنانچہ ایک دوسرے

مقام پر اس کی طرف صاف تصریح فرما دی۔ تکوین باب ۲۲ میں ہے۔

"خداوند فرماتا ہے اس لیے کہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنا بیٹا اپنا اکلوتا ہی بیٹا دریغ نہ رکھا میں نے اپنی قسم کھائی کہ میں برکت دیتے ہی تجھے برکت دوں گا۔ . . . . اور تیری نسل سے زمین کی ساری قومیں برکت پائیں گی۔ کیونکہ تو نے میری بات مانی"

اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ اس برکت کا اصلی سبب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی ہے۔ ہرچند کہ یہ برکت اسحٰق علیہ السلام کی ذریت سے بھی پھیلی لیکن اس کا اصلی سرچشمہ حضرت اسماعیل ہی کی ذریت ہے۔ ایک دوسرے مقام پر اس کے متعلق ایک اہم حقیقت بیان ہوئی ہے:۔

"ابرہام تو یقیناً ایک بڑی اور بزرگ قوم ہوگا۔ اور زمین کی سب قومیں اس سے برکت پائیں گی کیونکہ میں اس کو جانتا ہوں کہ وہ اپنے بیٹوں اور اپنے بعد اپنے گھرانے کو حکم کریگا اور وہ خداوند کی راہ کی نگہبانی کرکے عدل اور انصاف کریں گے۔ تاکہ خداوند ابرہام کے واسطے جو کچھ اس نے اس کے حق میں کہا ہے پورا کرے" — تکوین باب ۱۸

یہاں برکت سے اس وعدہ کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا تھا۔ نیز اس سے ایک نئی حقیقت آشکارا ہوئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو دین دیا گیا تھا اس کی حقیقت نیکی اور عدل تھی۔ اب غور کرو کہ آنحضرت کے ظہور سے یہ پیشین گوئی کس طرح حرف بحرف پوری ہوئی۔ آپ کی بعثت اس سرزمین میں ہوئی جو ان تمام برکات کا سرچشمہ تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سرزمین اور دین ابراہیمی کا وارث بنایا آپ کی شریعت کی بنیاد نیکی اور عدل پر ہے آپ کی بعثت سے تمام روئے زمین کے لیے عام برکت کا وعدہ پورا ہوا۔ کیونکہ آپ کی رسالت تمام عالم کے لیے ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا — ہم نے تم کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ اور ہم نے تم کو نہیں بھیجا مگر تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر

چونکہ آپ کی رسالت تمام عالم کے لئے عام ہے اس لئے وہ برکت بھی جو آپ کے ذریعہ دنیا میں پھیلی آپکے تمام پیروؤں کے لیے جو آپ کی ذات اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات پر برکت بھیجتے ہیں عام ہوگی۔ یہ اس وعدہ کی تصدیق ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا گیا تھا کہ

"جو تجھے برکت دیتا ہے میں اسے برکت دوں گا۔"

اس کو دوسرے لفظوں میں زیادہ وضاحت سے یوں سمجھو کہ برکت کے معنی ہیں اہل و عیال کی کثرت کی دعا دینا۔ اس لئے اگر کوئی شخص کسی شخص کو برکت کی دعا دے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اس کے اہل و عیال کو بھی خیر و برکت کی دعا دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب ہم آنحضرت صلعم پر برکت بھیجتے ہیں تو گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر برکت بھیجتے ہیں۔ علی ہذا القیاس جب ہم آنحضرت صلعم پر درود بھیجتے ہیں تو گویا آپ کی ذریت اور آل پر بھی درود بھیجتے ہیں۔ اس لئے نمازوں میں ہم یوں دعا کرتے ہیں۔

"اللھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم"

یعنی تو نے جس طرح ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر رحمت نازل فرمائی اسی طرح محمدؐ اور آل محمدؐ پر بھی اپنی برکت و رحمت نازل فرما تاکہ تیرا وعدہ پورا ہو۔

یہ برکت بھیجنے کا حکم دوسری امتوں کو نہیں دیا گیا۔ صرف مسلمانوں کو دیا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر رحمت بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی اس پر درود و سلام بھیجو۔

اسی لئے ہم اپنی تمام نمازوں کو درود پر ختم کرتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ اول تو نماز کی فرضیت کے قائل نہیں اور اگر پڑھتے ہیں تو حضرت ابراہیم

یا ان کی ذریت میں سے کسی پر درود نہیں بھیجتے۔ یہ درود صرف آنحضرت کا شعار ہے۔
ہم تشہد میں پہلے خدا کی بارگاہ میں "صلوات و طیبات" کی نذر گذرانتے ہیں پھر اس کے تمام صالح بندوں کے لیے اس کی رحمت و برکت مانگتے ہیں۔ اور خصوصیت کے ساتھ آنحضرت صلعم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام لیتے ہیں۔ تاکہ ان کے حقوق کا اعتراف کریں۔ یہ گویا اس نیکی اور عدل کی ایک فرع ہے جو نزول برکات کا سبب ہے۔

اس شریعت کی برکت عمومی کی شہادت اس بات سے بھی ملتی ہے کہ اس میں ہم کو تمام دنیا کے ساتھ عدل اور احسان کا حکم دیا گیا ہے۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۔

اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور عدل سے نہیں روکتا جنھوں نے تم سے دین کے بارہ میں لڑائی نہیں کی۔ اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ عدل کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۔

اے ایمان لانیوالو! اللہ کے لئے قوام بنے رہو انصاف کے ساتھ شہادت دینے والے۔ اور کسی قوم کی عداوت تم کو ایسا مجرم نہ بنادے کہ تم عدل کو چھوڑ بیٹھو۔ عدل کرو کہ یہی تقویٰ سے اقرب ہے

اس شریعت کے جزئیات احکام بھی جیسا کہ اس کے محل میں ہم نے تفصیل سے بحث کی ہے عمومیت اور مساوات کی اس روح سے معمور ہیں۔ اور یہ بھی ایک معلوم حقیقت ہے کہ خانہ کعبہ کو اللہ تعالیٰ نے احسان اور عدل کا مرکز بنایا ہے۔ کیونکہ اس کا سنگ بنیاد توحید ہے۔ اور اس کی تعمیر ذکر

تفسیر سورۂ قریش

از
جناب مولانا عبد القدیر صدیقی

یہ صورت مکی ہے۔ اس میں چار آیتیں ہیں۔ قریش فہر کا لقب ہے اولاد فہر کو قبیلۂ قریش کہتے ہیں۔ رسول خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عشرۂ مبشرہ قریش سے ہیں سلسلہ نسب اس طرح ہے کہ محمدؐ بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصّی بن کلاب بن مُرّہ بن غالب بن فہر۔ قریش ایک بڑی مچھلی کا نام ہے جو کشتیوں کو تباہ کر دیتی ہے۔ غالباً وھیل مچھلی یا اس کے مماثل اور مچھلی ہے۔ قرش کی تصغیر قُرَیش ہے کبھی تصغیر تعظیم کے لیے بھی ہوتی ہے۔ جیسے انہ اُخَیشن فی امر اللہ۔ بے شک وہ امر خدا میں بہت سخت ہے۔

قبیلۂ قریش مکہ کا رہنا والا قبیلہ ہے۔ عام لوگ کعبۃ اللہ شریف کی وجہ سے قریش کی تعظیم کرتے تھے۔ قبیلۂ قریش کا قافلہ سرما کے موسم میں یمن کی طرف بغرض تجارت جاتا تھا۔ اور ہندوستان وغیرہ کا سامان لاتا تھا۔ اور گرما کے موسم میں شام کو جاتا تھا۔ اس طرح تجارت کی وجہ سے نیز حاجیوں کی آمد اور ان سے تجارت کرنے کی وجہ سے بہ نسبت اور قبائل کے خوش بھی تھا۔ اس قبیلے کے دو مشہور خاندان ہیں، بنی ہاشم جو مذہبی پیشوا اور بمنزلہ برہمن کے تھے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اسی خاندان سے تھے۔ اور بنی امیہ انتظام امور دنیا کے متکفل تھے بمنزلہ چھتری کے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عام طور سے مکہ معظمہ میں بت پرستی ہوتی تھی۔ خود کعبۃ اللہ شریف میں (۳۶۰) بت شمار کے تھے۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کو نجاست اور بتوں سے پاک کر دیا

مکہ معظمہ وادی غیر ذی زرع ہے۔ نہ وہاں کھیتی ہے نہ باڑی۔ مگر ضرورت کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو وہاں نہیں ملتی ہو۔ یہ سب طفیل ہے کعبۃ اللہ شریف کا۔ اللہ تعالیٰ انہیں احسانات کو یاد دلاتا ہے۔ اور شکریں عبادت کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۝ اَلِفَ المکانَ وفُلانًا یَأْلَفُ اِلْفًا۔ مانوس ہوا۔ الفت پکڑلی دل لگایا۔ مثل سمع۔ اٰلَفَ یُؤٰلِفُ فلانًا کذا اِیْلافًا۔ الفت دلائی۔ مانوس کر دیا۔

فلیعبدوا۔ ف شرطی معنی کو متضمن ہے۔ لہٰذا معنی یہ ہوں گے کہ جب قریش پر اللہ کے یہ احسانات ہیں تو اُن کو چاہیے کہ اس کی عبادت کریں۔

یا پھر لام تعجب کے لیے ہے اور معنی یہ ہیں کہ "لوگو! ذرا اس قبیلہ قریش کو تو دیکھو کہ خدا کا یہ احسان اور اُن کا خدا سے یہ اعراض، یہ شرک، یہ بت پرستی! تعجب۔ افسوس!!

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۝ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝

ارتحل القوم عن المکان رِحْلَةً و رُحلَةً وارتحالًا۔ قوم منتقل ہو گئی۔ سفر کر گئی رُحلہ وہ غرض جس کے لیے سفر کیا جاتا ہے۔

"قریش کو خوگر عادی بنانے کے لیے، سرما میں یمن کی طرف گرما میں شام کی طرف، تجارتی سامان لے کر سفر کرنے کا عادی بنائے جانے کے لیے"

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ پس ان کو چاہیئے کہ اس بیت اللہ کے پروردگا کی عبادت کریں۔

الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝ جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا۔ تجارت کی توفیق دی، ہر ملک سے لوگ سامان لانے لگے۔ نذریں دینے لگے۔ اور اُن کو خوف سے امن دیا۔ کہ بیت اللہ کی عزت کی وجہ سے اطراف کی زمین کو حرم بنا دیا۔ وہاں کے باشندوں کو معزز اور محترم بنایا

ایاک نعبد وایاک نستعین

از

جناب مولانا طاہر بن احمد صاحب (دار العلوم۔ دیوبند)

سورۂ فاتحہ میں انسان کو اس کے پروردگار کی طرف سے یہ دعائیہ کلمے اور استدعائیہ جملے سکھلائے گئے ہیں۔

ایاك نعبد وایاك نستعین۔ اهدنا الصراط المستقیم۔

یعنی اے رب العالمین مالک یوم الدین ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور صراط مستقیم چاہتے ہیں۔

ان آیتوں میں رب العالمین نے انسان کی طرف سے ایسے صیغے استعمال فرمائے ہیں اور انسان کو ایسے جملے تلقین کیے ہیں جو لغت عرب میں جمع کے لیے بولے جاتے اور چند افراد کے مجموعے پر صادق آتے ہیں حالانکہ قرینہ مقام واقتضائے کلام بظاہر یہ تھا کہ بندہ کی طرف سے ایسے جملے ادا کیے جاتے جن سے اس کی انفرادی حیثیت ظاہر ہوتی اور خدا کی حمد وستائش کرنے والا بندہ یوں کہتا کہ اِیَّاكَ اَعۡبُدُ وَاِیَّاكَ اَسۡتَعِیۡن۔ یعنی میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور میں تجھ ہی سے مدد مانگتا ہوں۔ لیکن باوجود اس کے نماز وغیر نماز ہر حالت میں بندگان اطاعت شعار کی زبان اور قلب سے اَعبد و اَستعین کے بجائے نَعبد و نَستعین ہی ادا کرانا مطلوب الٰہی ہوا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حکیم علی الاطلاق جل مجدہ کے کلام پاک کی ہر ترکیب اعجاز و لاجوابی کا آخری مرتبہ لیے ہوئے ہے اور اس کا ہر ایک کلمہ اور ہر ایک جملہ میزان عدل میں تل کر اور

ملکیت کے سانچوں میں ڈھلکر اس دنیا میں آیا ہے اور بلاشبہہ دین قیم کی بنیادیں اس پر ایسی ہی طرح قائم و استوار ہیں جیسے فضا میں بلاکسی ستون اور سہارے کے آسمان قائم ہے، تو ضرور ہے کہ نعبد و نستعین میں بھی بجائے الف کے نون رکھدیے جانے سے کسی باریک حقیقت کی طرف اشارہ منظور ہوگا اور یقیناً اس میں بھی کوئی حکمت عظیمہ مضمر ہوگی حضرات مفسرین رحمہم اللہ نے اس موقع پر مختلف موشگافیاں اور نکتہ آفرینیاں فرمائی ہیں جن سب پر نہ عبور حاصل ہے نہ سب کا یہاں نقل کرنا ممکن۔ اس لئے اپنی معروضات سے قبل اس بلیغ اسلوب کے متعلق جو حکمت امام رازیؒ نے بیان فرمائی ہے صرف اسی کو نقل کرنا کافی سمجھتا ہوں۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مومن مصلی کو خدا نے جمع کے صیغوں سے جو عرض حال کی تلقین کی ہے اس میں حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ جب جمع کے صیغوں سے بندہ مصلی اپنی دعا اور استدعا اور عرض معروض جناب الٰہی میں باوجود اکیلا ہونے کے گذرانے گا تو جمع کے صیغوں کی وجہ سے ہر نماز میں اس کی دعا و استدعا تمام عباد صالحین کی دعا و استدعا کے ساتھ شامل ہو کر بارگاہ الٰہی میں پیش ہوا کریگی اور انہی کی قابل قبول عبادت کے ساتھ بندۂ عاصی کی عبادت بھی قبول ہو جایگی اور اس کی مثال امام صاحبؒ نے یہ تحریر فرمائی ہے کہ جس طرح غلہ کے بڑے بڑے ڈھیر جب تولے جاتے ہیں تو یہ ایک عام دستور ہے کہ جو تھوڑا بہت کوڑا کرکٹ ان میں ملا ہوا ہوتا ہے وہ بھی غلہ کیساتھ ملجایا کرتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ گیہوں وغیرہ تو تلجائیں مگر کوڑا کرکٹ نہ تلے۔ اسی طرح بندۂ منفرد نے بھی ایاک نعبد و ایاک نستعین کہہ کر اپنی عبادت کو خدا کے مقبول بندوں کی عبادت کے ساتھ بارگاہ رحمت میں پیش کیا ہے تاکہ ارحم الراحمین ان کے طفیل میں بندگان عاصی کی عبادت کو بھی قبول فرمالے۔ باقی یہ اسکی رحیمی و ستاری سے نہایت بعید ہے کہ وہ بندگان عاصی کی عبادت کو تو تمام عبادتوں سے الگ کر کے رد کردے اور صرف مقربین بارگاہ کی عبادت

کو قبول فرمالے۔ پس اسی غرض کو پیش نظر رکھتے ہوئے بندۂ منفرد باوجود منفرد ہونے کے نماز میں ایاک نعبد و ایاک نستعین ہی کہتا ہے یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھی سے مدد چاہتے ہیں اور ہم تجھی سے سیدھی راہ کے طالب ہیں یہ نہیں کہتا کہ میں تیری عبادت کرتا ہوں اور میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں اور میں تجھ سے سیدھی راہ کا طالب ہوں۔

یہ نکتۂ شیرین بجائے خود نہایت لطیف اور بہتر ہے لیکن بطفیل فیوض و توجہ حضرت قاسم العلوم والخیرات نور اللہ مرقدہ جو وجوہات ہمارے قلب میں اس اسلوب جمعیت کی بابتہ القاء ہوئی ہیں وہ کچھ اور ہیں، اور امید ہے کہ وہ انشاء اللہ ناظرین حقائق کے لئے موجب فرحت باطنی ہوں گی۔

(۱) یہ ہے کہ جو اسلوب جمعیت "عہد الست" میں بنی آدم نے پروردگار عالم کے لیے بلیٰ شہدنا سے ملحوظ رکھا تھا وہی اسلوب جمعیت عالم شہادت میں اپنے بندوں کے لیے ملحوظ رکھا اور اس طرح نعبد و نستعین و اہدنا سے ان کو بلیٰ شہدنا کا انداز یاد دلایا ہے حق تعالیٰ نے بندگان اطاعت شعار کے لئے خواہ وہ مجتمع ہوں یا منفرد ہر حال میں نعبد و نستعین سے وہی نقش جمعیت سامنے کیا ہے جو ازل میں کھینچا گیا تھا۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ ازل میں جب رب العرش الکریم نے تمام بنی آدم کی صلبوں اور ان کی پشتوں سے ان کی تمام اولین و آخرین ذریت اور اولاد کو جو قیامت تک اس عالم شہادت میں نسلاً بعد نسلٍ و قرناً بعد قرنٍ ظاہر ہونے والی تھیں، نکال کر تحت العرش جمع فرمایا اور خود ان کو ان کی جانوں پر شاہد بناتے ہوئے عالم شہادت کے لئے عقل و اختیار دیکر فرمایا الستُ بربکم کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں تو تمام اولاد آدم نے عقل اور شعور اور عطا شدہ قوت نطق کی مدد سے مجتمعاً متفق اللسان ہو کر کہا تھا "بلیٰ شہدنا" ہاں تو ہی ہم سب کا پروردگار ہے یعنی جو ملکہ شہادت تو نے اپنی تجلی ربوبیت سے ہم سب کی فطرت میں ڈالا ہے جس کی بدولت ہم سب پر عالم شہادت کے گران بار فرائض عاید ہونے والے ہیں اور خلافت ارضی کا تاج ہمارے سروں پر رکھا جانے والا ہے اس کی بناء پر ہم سب اقرار

کرتے ہیں اور شہادت دیتے ہیں کہ بیشک تو ہم سب کا پروردگار ہے۔ چنانچہ اسی ازلی اقرار اور عہد کو یوں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس عالم میں یاد دلایا ہے۔ جس پر فی الحقیقت ایمان بالغیب کا سنگ بنیاد نصب ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰي شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ - اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔

یعنی جب نکالا تیرے پروردگار نے بنی آدم کی پشتوں سے اُن کی اولاد کو اور اقرار کرایا اُن سے اُنکی جانوں پر کیا میں نہیں ہوں تمہارا پروردگار بولے ہاں ہے ہم اقرار کرتے ہیں۔ (دیکھو) کہیں (پھر) کہنے لگو قیامت کے دن ہم کو تو اس کی خبر نہ تھی (یا کوئی اور حیلہ تراش کر) کہنے لگو کہ شرک تو نکالا ہمارے باپ دادوں نے ہم سے پہلے اور ہم ہوئے اُن کی اولاد اُن کے پیچھے تو کیا تو ہم کو ہلاک کرتا ہے اس کام پر جو کیا گمراہوں نے (یعنی یہ کہ کوئی حیلہ اس مرکوز فی القلب شہادت فطری کے بعد معتبر ہوگا اور جبکہ ہر ایک متنفس کے اقرار کا ثبوت خود ہر ایک کے دل کی شہادت ہے تو اس کے بعد گمراہی کا حیلہ کوئی معنی ہی نہیں رکھتا اور قلوب کا فطری علاقہ عرش عظیم کے ساتھ قائم ہو جانے کے بعد پچھلوں کا اگلوں کے لئے اور اگلوں کا پچھلوں کے لئے گمراہی اختیار کرنا کسی طرح بھی سند نہیں ہو سکتا)۔ اور ہم یوں کھول کر بیان کرتے ہیں باتیں (جو ازل میں کی گئیں) تاکہ وہ پھر آدیں (اور فطری شہادت پر چل کھڑے ہوں)۔

اسی ازلی قول اور اقرار کے اجزا کو اللہ تعالیٰ نے سبع مثانی اور قرآن عظیم یعنی سورہ فاتحہ میں یوں دھرایا ہے جس کو بندگانِ مخلصین ہر دن کے اندر ہر نماز کی ہر ایک رکعت میں دہراتے

ہیں چنانچہ الحمد للہ رب العلمین سے بندہ کو الست بربکم کا جواب سکھلایا گیا ہے تو مالک یوم الدین سے ان تقولوا یوم القیامۃ انا کنا عن ہذا غافلین کی طرف اشارہ ہے۔ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین سے او تقولوا انما اشرک آباؤنا من قبل وکنا ذریۃ من بعدھم افتہلکنا بما فعل المبطلون کی طرف نظر عبرت کرائی جارہی ہے تو ایاک نعبد وایاک نستعین واہدنا سے بلیٰ شہدنا" کی طرف معہ اس کے اسلوب عظیم کے متوجہ کیا جارہا ہے اور وہ اسلوب عظیم ولطیف یہی ہے کہ جس طرح بندگان وحدت شعار سب کے سب ازل میں بجانب رب العرش العظیم ایک رنگ ایک ڈھنگ سے اس کی حمد وستائش اور اقرار ربوبیت میں مستغرق وبے خود تھے اسی طرح ہر دن میں پانچ مرتبہ مساجد اللہ میں جمع ہوکر بندگان مخلصین وہی نقشۂ دلربا ایاک نعبد وایاک نستعین واہدنا سے بلیٰ شہدنا کا کھینچا کریں۔

(۲) اور خدا توفیق دے تو یوم الحج الاکبر اور میدان عرفات میں بھی مجتمع ہوکر ایک اجتماع عظیم کے ساتھ اسی نمونہ وانداز کے مطابق اقرار ربوبیت ادا کیا کریں تاکہ جب اولاد آدم کا یہ اجتماع عظیم خانہ کعبہ اور میدان عرفات میں شہادت وحدانیت کے لئے قائم ہوا کرے تو جس قدر پاک اور تزکیہ شدہ روحیں اس عالم سے اقرار ربوبیت کرکے واپس جاچکی ہیں یا جس قدر روحوں کو اس عالم میں ظاہر ہوکر فریضہ شہادت ادا کرنا باقی ہے وہ سب کی سب اس اجتماع عظیم کے ساتھ بلیٰ شہدنا سے اس دن ہمنوائی اختیار کریں اور اپنی تمام توجہ اس یوم اعظم میں اسی اجتماع اکبر کی طرف مبذول فرمائیں اور انسان کو اپنے آبائی وابنائی سلسلوں سے ہر اعتبار سے حصول نور کا کافی موقع ملے۔[1] الغرض نعبد ونستعین اھدنا سے بندہ مومن کو اس اسلوب جمعیت سے وہی شہدنا کا انداز یاد دلا گیا ہے۔

۳۔ غالباً بلکہ اغلباً اشارہ اسی طرف فرمایا گیا ہے کہ جس قدر ذریت اور اولاد انسان کی صلبوں اور ان کی پشتوں سے

[1] اس کی تصدیق کہ حج میں عاشقان خدا کو بلیٰ شہدنا کا انداز یاد دلایا گیا ہے آنحضرت کے اس عمل سے بھی ظاہر ہے کہ جب حجۃ الوداع میں آنحضرت نے خطبہ تمام فرمالیا تو تمام لوگوں کو مخاطب فرماکر ارشاد فرمایا کہ اے لوگو جب تم سے یہ سوال کیا جائیگا کہ یہ سب احکام تم کو پہونچے ہیں یا نہیں تو کیا تم شہادت دوگے؟ سب نے کہا بیشک ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے خدا کے احکام ہم تک پہنچا دئیے اور آپ نے اپنا حق ادا کردیا اس پر حضور علیہ السلام نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی۔ بقیہ بر صفحہ آئندہ۔

بقیہ بر صفحہ آئندہ۔

عالم شہادت میں آچکی ہے یا آنے والی ہے مگر ابھی تک مکلف بالشہادت اور مکلف بالاحکام نہیں ہوئی ہے ان سب کی طرف سے بھی بندہ مومن دست بستہ جناب الٰہی میں عرض کیا کرے کہ ایاک نعبد وایاک نستعین تاکہ جو اقرار ربوبیت ازل میں بندہ قانت اور اس کی ذریت نے مجتمعاً کیا ہے اور اس اقرار میں بیٹے کو باپ سے اور باپ کو اپنی اولاد سے جو یکجائیت حاصل تھی عالم شہادت میں بھی اسی اسلوب جمعیت ویکسانی سے نعبد ونستعین کا اعادہ وتکرار ہوکر ازلی قول واقرار ابد تک فراموش نہ ہونے پائے۔

(۴) اور یہ استمرار وبیداری انسان کے خمیر اور مسلمان کی ضمیر میں خوب ہی پیوست ومطبوع ہوجائے اور جب بھی بندۂ مومن کی ذریت عالم شہادت میں آکر مکلف بالشہادہ ہو تو اس کے اجزا نامیہ ومنویہ میں بھی یہ تیقظ وبیداری رسوخ کا مرتبہ لئے ہوئے ہو اور یہ بیداری نسلاً بعد نسل اسی نہج سے اصلاب طیبہ میں منتقل ہوتی رہے اور انسان واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمۃ اللہ کی تعمیل بھی اس طرح کرے۔

(۵) غرض جو ذریت اور اولاد آدم عالم شہادت میں ظاہر ہوجائے اس کے یوم ولادت سے ہی اس کے آباء اپنی زبان سے بطور وکالت ونمایندگی اپنی اولاد کے سن شعور کو پہنچنے تک اپنی تمام نمازوں میں نعبد ونستعین کہہ کر حسب قاعدہ واسلوب شریعت اَنتَ وَمالكَ لِاَبِيكَ ان کی طرف سے حق وکالت ادا کیا کریں تاکہ رحمت الٰہی بھی نہ صرف بندۂ مومن ہی کے ظاہر وباطن میں سرایت کرے بلکہ اس کی تمام ذریت کو بھی محیط ولاحق ہوجائے اور کافروں جیسی غفلت مسلمانوں کے مادہ اور انکی روحوں میں بالکل نہ آنے پائے اور مسلمان کی عبادت میں جو نقصان

نوٹ: اور تین مرتبہ فرمایا خداوندا تو گواہ رہ خداوندا تو گواہ رہ خداوندا تو گواہ رہ اور اس کے بعد آپ نے فرمایا الا فلیبلغ الشاہد الغائب یعنی جو لوگ موجود ہیں وہ ان تمام احکام کو ان لوگوں تک پہنچادیں جو حاضر نہیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ اجتماع حج میں بھی شہادت عظیمہ مطلوب رکھی ہے جس کا نقشہ خدا نے اپنے رسول سے کھنچوایا:

رہ جائے تو وہ اس مسلسل و متواتر شہادت سے اسطرح پورا ہو جائے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد انہی کی راہ پر ایمان کیساتھ چلی تو ہم نے پہنچا دیا اُن تک اُن کی اولاد کو اور پھر گھٹایا ہم نے اون کے عمل سے کچھ بھی (اور بلاشبہ) ہر شخص اپنے کسب میں جکڑا ہوا ہے۔ یہی حق نمایندگی اور حق وکالت ہم کو دیگر احکام شریعت میں بھی نظر آتا ہے چنانچہ صدقۃ الفطر میں اولاد صغار غیر مکلف بالاحکام کی طرف سے ماں باپ کا صدقہ ادا کرنا ہمارے دعویٰ کا کھلا ہوا ثبوت ہے علی ہذا قربانی میں بھی اسی قسم کی وکالت موجود ہے۔ حج بدل میں بھی یہی وکالت ہے جو ایک شخص کا بار دوسرے پر منتقل کرتی ہے۔

(۶) علاوہ ازیں ہر نماز میں جو دعائے تحیۃ وسلام ہم کو سکھلائی گئی ہے۔ اس میں بھی یہی اسلوب جمعیت مطلوب ہے چنانچہ جب التحیات ہم پڑھنے کو بیٹھتے ہیں تو پہلے خدا کی جناب میں آداب و تحیہ بجالاتے ہیں۔ ہر ایک مصلّی نبی پر سلام بھیجتا ہے اس کے بعد کہا جاتا ہے السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین یہاں السلام علینا کے بعد وعلی عباد اللہ الصالحین کے جدا مذکور ہونے سے ذرا انجا لیکہ ہر ایک مصلی جدا جدا تحیہ وسلام بجالاتا ہے صاف طور پر یہی نظر آتا ہے کہ علینا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر اپنی تمام اولاد روحانی و جسمانی مراد لی ہے تو بندوں کے اعتبار سے علینا سے وہ تمام ذریت مراد ہے جو عالم شہادت میں آچکی ہے مگر ابھی تک مکلف بالاحکام نہیں ہوئی ہے بلکہ دائرہ کو اور ذرا وسیع کیجئے تو کہا جاسکتا ہے کہ علینا میں وہ تمام ذریت مخفیہ موجود فی الاصلاب بھی مراد ہے جو ہنوز عالم غیب سے عالم شہادت میں نہیں پہنچی ہے باقی ان تمام امور کا آسانی سے سمجھ میں آجانا اسی وقت ممکن ہے جبکہ استحضار مغیبات ہو۔

علی ہذا الصلوٰۃ الوتر میں بھی جو قنوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بندگان مخلصین کو تلقین فرمایا ہے

اس میں بھی اسی اسلوب جمعیت سے ان تمام جہتوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے چنانچہ دعائے قنوت کے الفاظ یہ ہیں اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ الْخَيْرَ وَنَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّيْ وَنَسْجُدُ وَاِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْ رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰى عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ - اس دعا میں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے استحضار اور ان کے لیے ہر قسم کے مفاد کی طلب کے ساتھ جو توکل اور شکر تحفد اور تخشع فرمایا ہے اسی طرح تمام مسلمان بھی اس دعا کو پڑھ کر اپنی عاقل و بالغ معصوم و مخفی ذریت کے لیے ہر قسم کے مذکورۃ الصدر امور حسنہ میں حق نیابت ادا کرتے ہیں، اور اپنی تمام نسل کے لیے صراط نور سے انوار و برکات حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

(۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کو درود دکھلانا جس میں خود حضور پر اور آپ کے اہل بیت پر آپ کے آباء پر اور تمام سلاسل ایمانیہ پر جو درود و سلام بھیجا جاتا ہے۔ وہ ہمارے اس دعوی کا مزید ثبوت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر اس قسم کی دعاؤں کے الہام ہونے کا راز یہی تھا کہ مسلمان اپنی ہر حاجت اور ہر استدعا میں تقریباً اسی اسلوب نیابت کو ملحوظ رکھیں اور علماً و عملاً دعاءً و قلباً تمام مومنین۔ المومن کالبنیان یَشُدُّ بعضهم بعضًا کے مصداق ہوں۔

(۱۰) حدیث شریف میں جو مادۂ منویہ کے شر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے استعاذہ فرمایا ہے۔ اس سے بھی مستنبط ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر وہی عہد الست کا اسلوب اور اسی استعاذہ سے یہ حقیقت مخفیہ اچھی طرح روشنی میں آجاتی ہے کہ بندۂ مومن مصلی ایاک نعبد و ایاک نستعین میں نہ صرف اپنی ذریت موجودہ ہی کی طرف سے حق عبادت و استعانت

استعمال کرتا ہے اور نہ صرف تمام دنیا کے مسلمانوں کی نسبت کرتا ہے بلکہ اس کی صلب میں جو ذریت چھپی ہوئی ہے اس کی طرف سے بھی باعتبار مایکون و مایؤل کے انسان نعبد و نستعین کہہ کر اپنی ذریت مخفیہ غیبیہ کو اپنے ساتھ شامل کرتا ہے اور اس طرح اپنا جماعتی علاقہ دونوں عالموں سے یکساں پیدا کرتا ہے۔

(۱۱) پس یہ اسلوب جمعیت کس قدر پُر اعجاز اسلوب ہے جس میں الدین یسر کی پوری پوری تفسیر مضمر ہے اور نعبد و نستعین کیسے جامع اور مختصر جملے ہیں کہ انسان محض ان دو جملوں کو ادا کر لینے سے عالم غیب اور شہادت کے تمام امور حسنہ کو بآسانی لے سکتا ہے اور چاہے قصد کرے یا نہ کرے مگر یہ جامعیت بیان ہر دو عالم کے بہترین مقاصد کو غیر اختیاری صورت سے مراد بنا دیتی ہے لیکن اگر خدا کی طرف سے ایسا اسلوب استدعا نہ سکھلایا جاتا بلکہ ہر دو عالموں کے جملہ مقاصد کو وقت استدعا الگ الگ بیان کرنے کا مکلف اگر خود دیدہ ہی کو قرار دیا جاتا تو ہمارے خیال میں علاوہ دقت و زحمت و طوالت کے عمر نوح بھی بیان مقاصد کے لیے انسان کو کافی نہ ہوتی اور اب صورت حال یہ ہے کہ صرف نعبد و نستعین واہدنا کہہ لینے سے پھر کسی لمبی چوڑی استدعا کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی ہے بلکہ تمام مقاصد حسنہ کا حل عبادات و معاملات کی الہی دو آیتوں میں انسان کو نظر آجاتا ہے۔

(۱۲) یہی اسلوب جمعیت وہ اعجاز اسلوب ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیا علیہم السلام نے بھی اپنی دعاؤں میں ملحوظ و مرعی رکھا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کو تعمیر کرتے وقت دعا کی تو اس طرح کی رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ یعنی اے ہمارے پروردگار تو جانتا ہے جو کچھ کرتے ہیں ہم چھپا کر اور جو کچھ کرتے ہیں ہم دکھا کر اور مخفی نہیں اللہ پر کوئی چیز زمین میں نہ آسمان میں یعنی پروردگار عالم ہماری ظاہر اور پوشیدہ سب چیزوں کو ایسی ہی طرح دیکھتا ہے جیسے آئینہ میں ہم اپنا منہ دیکھتے ہیں۔ باقی

رسائل و مسائل

سود، پردہ، طلاق اور مہر

۵

۲۔ پردہ

پردے کا مسئلہ بھی سود کے مسئلہ کی طرح ہندوستان اور دوسرے اسلامی ممالک میں قریب قریب نصف صدی سے چھڑا ہوا ہے، لیکن جس طرح سود کی بحث کا آغاز ایک بنیادی غلطی کے ساتھ ہوا تھا اسی طرح پردے کی بحث کا آغاز بھی ایک بنیادی غلطی کے ساتھ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اس باب میں بھی تجدد پسند مسلمانوں کے لیے اسلامی احکام کی علت اور ان کے مقاصد کو سمجھنا مشکل ہو گیا۔ لہٰذا قبل اس کے کہ ہم ان احکام کی تفصیلات پر بحث کریں، اس بنیادی غلطی کو واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے، تاکہ ذہن اس مسئلہ کو ایک صحیح نقطۂ نظر سے دیکھنے اور سمجھنے کے لیے مستعد ہو جائیں۔

تاریخی پس منظر اٹھارہویں صدی کا آخری اور انیسویں صدی کا ابتدائی زمانہ تھا جب مغربی قوموں کی ملک گیری کا سیلاب ایک طوفان کی طرح اسلامی ممالک پر امنڈ آیا، اور مسلمان ابھی نیم خفتہ و نیم بیدار ہی تھے کہ دیکھتے دیکھتے یہ طوفان مشرق سے لے کر مغرب تک تمام دنیائے اسلام پر چھا گیا۔ انیسویں صدی کے نصف آخر تک پہنچتے پہنچتے بیشتر اسلامی قومیں یورپ کی غلام ہو چکی تھیں اور جو غلام نہ ہوئی تھیں وہ بھی مغلوب و مرعوب ضرور ہو گئی تھیں۔ جب اس انقلاب کی تکمیل ہو چکی تو مسلمانوں کی آنکھیں کھلنی شروع ہوئیں۔ وہ قومی غرور جو صدہا برس تک جہانبانی و کشورکشائی کے میدان میں سربلند رہنے کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا، دفعتہً خاک میں مل گیا، اور اس شرابی کی طرح جس کا نشہ

کسی طاقت اور دشمن کی پیہم ضربات نے آتار دیا ہو، انہوں نے اپنی شکست اور فرنگیوں کی فتح کے اسباب غور کرنا شروع کیا۔ لیکن ابھی دماغ درست نہیں ہوا تھا۔ گو نشہ اتر گیا تھا، مگر عقل کا توازن ابھی تک بگڑا ہوا تھا۔ ایک طرف ذلت کا شدید احساس تھا جو اس حالت کو بدل دینے پر اصرار کر رہا تھا۔ دوسری طرف صدیوں کی آرام طلبی اور سہولت پسندی تھی جو تبدیل حالت کا سب سے آسان اور سب سے زیادہ قریب کا راستہ ڈھونڈھنا چاہتی تھی تیسری طرف سمجھ بوجھ اور غور و فکر کی زنگ خوردہ قوتیں تھیں جن سے کام لینے کی عادت سالہا سال سے چھوٹی ہوئی تھی۔ چوتھی جانب مرعوبیت اور دہشت زدگی تھی جو ہر شکست خوردہ غلام قوم میں فطرۃً پیدا ہو جاتی ہے۔ ان سب چیزوں نے مل جل کر اصلاح پسند مسلمانوں کو بہت سی عقلی اور علمی گمراہیوں میں مبتلا کر دیا۔ ان میں سے اکثر تو اپنی پستی اور یورپ کی ترقی کے حقیقی اسباب سمجھ ہی نہ سکے اور جنہوں نے ان کو سمجھا، ان میں بھی اتنی ہمت، جفاکشی، اور مجاہدانہ اسپرٹ نہ تھی کہ ترقی کے دشوار گذار راستوں کو اختیار کرتے۔ مرعوبیت اس پر مستزاد تھی جس میں دونوں گروہ برابر کے شریک تھے۔ اس بگڑی ہوی ذہنیت کے ساتھ ترقی کا سہل ترین راستہ جو ان کو نظر آیا وہ یہ تھا کہ مغربی تہذیب و تمدن کے مظاہر کا عکس اپنی زندگی میں اتار لیں اور اس آئینہ کی طرح بن جائیں جس کے اندر باغ و بہار کے مناظر تو سب کے سب موجود ہوں مگر درحقیقت نہ باغ ہو، نہ بہار۔

ذہنی غلامی | یہی بحرانی کیفیت کا زمانہ تھا جس میں مغربی لباس، مغربی معاشرت، مغربی آداب و اطوار حتیٰ کہ چال ڈھال اور بول چال تک میں مغربی طریقوں کی نقل آتاری گئی، اسلامی سوسائٹی کو مغربی سانچوں میں ڈھالنے کی کوششیں کی گئیں۔ الحاد، دہریت اور مادہ پرستی کو فیشن کے طور پر بغیر سمجھے بوجھے قبول کیا گیا۔ ہر وہ پختہ یا خام تخیل جو مغرب سے آیا، اس پر ایمان بالغیب لانا اور اپنی مجلسوں میں اس کو موضوع بحث بنانا روشن خیالی کا لازمہ سمجھا گیا۔ شراب، جوا، لاٹری، ریس، تھیٹر

رقص و سرود اور مغربی تہذیب کے دوسرے ثمرات کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ معاشرت، تمدن، اخلاق، معیشت، سیاست، قانون حتیٰ کہ مذہب کے متعلق بھی جتنے مغربی نظریات یا عملیات تھے ان کو کسی تنقید اور کسی فہم و تدبر کے بغیر اس طرح تسلیم کر لیا گیا کہ گویا وہ آسمان سے اتری ہوئی وحی ہیں جن پر سمعنا و اطعنا کہنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں۔ اسلامی تاریخ کے واقعات، اور اسلامی شریعت کے احکام، اور قرآن و حدیث کے بیانات میں سے جس جس چیز کو اسلام کے پرانے دشمنوں نے نفرت یا اعتراض کی نگاہ سے دیکھا اس پر مسلمانوں کو بھی شرم آنے لگی، اور انہوں نے کوشش کی کہ اس داغ کو کسی طرح دھو ڈالیں۔ انہوں نے جہاد پر اعتراض کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور بھلا ہم کہاں اور جہاد کہاں؟ انہوں نے غلامی پر اعتراض کیا۔ انہوں نے کہا کہ غلامی تو ہمارے ہاں بالکل ہی ناجائز ہے۔ انہوں نے تعداد ازدواج پر اعتراض کیا۔ انہوں نے قرآن کی ایک آیت پر خط نسخ پھیر ڈالا۔ انہوں نے کہا کہ عورت اور مرد میں کامل مساوات ہونی چاہیے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہی ہمارا مذہب بھی ہے۔ انہوں نے قوانین نکاح و طلاق پر اعتراضات کیے۔ یہ ان سب میں ترمیم کر دینے پر تل گئے۔ انہوں نے کہا کہ سود کی حرمت معاشی اصول کے بالکل خلاف ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ہاں تو صرف سود در سود حرام ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام آرٹ کا دشمن ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام ہمیشہ سے ناچ گانے اور مصوری و بت تراشی کی سرپرستی کرتا رہا ہے۔

مسئلہ حجاب کی ابتدا اسلام کی تاریخ میں یہ دور سب سے زیادہ شرمناک ہے، اور یہی دور ہے جس میں پردے کا مسئلہ پیدا ہوا ہے۔ اگر سوال محض اس قدر ہوتا کہ اسلام میں عورت کے لیے آزادی کی کیا حد مقرر کی گئی ہے تو جواب کچھ بھی مشکل نہ ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ جو اختلاف اس باب میں پایا جاتا ہے وہ محض اس حد تک ہے کہ چہرہ اور ہاتھ کھولنا جائز ہے یا نہیں، اور یہ کوئی اہم اختلاف نہیں ہے۔ لیکن دراصل یہاں معاملہ کچھ اور ہے۔ مسلمانوں میں یہ مسئلہ اس لیے پیدا ہوا ہے کہ یورپ نے

حرم" اور پردہ و نقاب کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھا، اپنے لٹریچر میں اس کی نہایت گھناونی اور مضحکہ انگیز تصویریں کھینچیں، اور اسلام کے عیوب کی فہرست میں عورتوں کی "قید" کو نمایاں جگہ دی اب کیونکر ممکن تھا کہ مسلمانوں کو حسب دستور اس چیز پر بھی شرم نہ آنے لگتی۔ انہوں نے جو کچھ جہاد اور غلامی اور تعدد ازواج اور سود اور ایسے ہی دوسرے مسائل میں کیا تھا وہی اس مسئلہ میں بھی کیا، قرآن اور حدیث اور اجتہادات ائمہ کی ورق گردانی محض اس غرض سے کی گئی کہ وہاں اس "بدنما داغ" کو دھونے کے لیے کچھ سامان ملتا ہے یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ بعض ائمہ نے ہاتھ اور منہ کھولنے کی اجازت دی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت اپنی ضروریات کے لیے گھر سے باہر بھی نکل سکتی ہے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ عورت میدان جنگ میں سپاہیوں کو پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کے لیے بھی جا سکتی ہے مسجدوں میں نماز کے لیے جانے اور علم سیکھنے اور درس دینے کی بھی گنجائش پائی گئی۔ بس اتنا مواد کافی تھا۔ دعویٰ کر دیا گیا کہ اسلام نے عورت کو پوری آزادی عطا کی ہے۔ پردہ محض ایک جاہلانہ رسم ہے جس کو تنگ نظر اور تاریک خیال مسلمانوں نے قرون اولیٰ کے بہت بعد اختیار کیا ہے۔ قرآن اور حدیث پردہ کے احکام سے خالی ہیں۔ ان میں تو صرف شرم و حیا کی اخلاقی تعلیم دی گئی ہے، کوئی ایسا ضابطہ نہیں بنایا گیا جو عورت کی نقل و حرکت پر کوئی قید عائد کرتا ہو۔

اصل محرکات انسان کی یہ فطری کمزوری ہے کہ اپنی زندگی کے معاملات میں جب وہ کوئی مسلک اختیار کرتا ہے تو عموماً اس کے انتخاب کی ابتدا ایک جذباتی غیر عقلی رجحان سے ہوتی ہے، اور اس کے بعد وہ اپنے اس رجحان کو معقول ثابت کرنے کے لیے عقل و استدلال سے مدد لیتا ہے۔ پردے کے معاملہ میں ایسی ہی صورت پیش آئی ہے۔ اس کی ابتدا کسی عقلی یا شرعی ضرورت کے احساس سے نہیں ہوئی، بلکہ اس رجحان سے ہوئی ہے جو ایک غالب قوم کے خوشنما تمدن سے متاثر ہونے، اور اسلامی تمدن کے خلاف اس قوم کے پروپیگنڈا سے مرعوب ہو جانے کا نتیجہ ہے۔

ہمارے اصلاح طلب حضرات کی ذہنی کیفیت سے آپ اوپر روشناس ہو چکے ہیں۔ اس ذہنیت کے ساتھ جب انہوں نے فرنگی عورتوں کی زینت و آرایش اور ان کی آزادانہ نقل و حرکت، اور فرنگی معاشرت میں ان کی سرگرمیوں کو دیکھا تو اضطراری طور پر ان کے دلوں میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ہماری عورتیں بھی اسی روش پر چلیں تاکہ ہمارا تمدن بھی فرنگی تمدن کا ہم سر ہو جائے۔ پھر وہ آزادی نسوان، اور تعلیم اناث، اور مساوات مرد و زن کے ان جدید نظریات سے بھی متاثر ہوئے جو طاقتور استدلالی زبان اور شاندار طباعت کے ساتھ بارش کی طرح مسلسل ان پر برس رہے تھے اس لٹریچر کی زبردست طاقت نے ان کی قوتِ تنقید کو ماؤف کر دیا اور ان کے وجدان میں یہ بات اتر گئی کہ ان نظریات پر ایمان بالغیب لانا اور تحریر و تقریر میں ان کی وکالت کرنا اور (بقید جرأت و ہمت) عملی زندگی میں بھی ان کو رائج کر دینا ہر اس شخص کے لیے ضروری ہے جو "روشن خیال" کہلانا پسند کرتا ہو اور "دقیانوسیت" کے بدترین الزام سے بچنا چاہتا ہو۔ اس پر مزید وہ جذبۂ شرم و ندامت تھا جو پردہ و نقاب کے خلاف یورپ کے پروپیگنڈا سے پیدا ہوا تھا۔

انیسویں صدی کے آخری زمانے میں آزادیٔ نسواں کی جو تحریک مسلمانوں میں پیدا ہوئی اس کے اصلی محرک یہی جذبات و رجحانات ہیں۔ بعض لوگوں کے شعور خفی میں یہ جذبات چھپے ہوئے تھے اور ان کو خود بھی معلوم نہ تھا کہ دراصل کیا چیز انہیں اس تحریک کی طرف لے جا رہی ہے۔ یہ لوگ خود اپنے نفس کے دھوکے میں مبتلا تھے۔ دوسری طرف بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جن کو خود اپنے ان جذبات کا بخوبی احساس تھا، مگر انھیں اپنے اصلی جذبات کو ظاہر کرتے ہوئے شرم آتی تھی۔ یہ خود تو دھوکے میں نہ تھے لیکن انہوں نے دنیا کو دھوکا دینے کی کوشش کی۔ بہرحال دونوں گروہوں نے کام ایک ہی کیا اور وہ یہ تھا کہ اپنی تحریک کے اصل محرکات کو چھپا کر اس کو ایک جذباتی تحریک کے بجائے ایک عقلی تحریک بنانے کی کوشش کی۔ عورتوں کی صحت، ان کے عقلی و علمی ارتقاء، ان کے فطری اور

پیدائشی حقوق، ان کے معاشی استقلال، مردوں کے ظلم واستبداد سے ان کی رہائی، اور قوم کا نصف حصہ ہونے کی حیثیت سے ان کی ترقی پر پورے تمدن کی ترقی کا انحصار، اور ایسے ہی دوسرے حیلے جو براہ راست یورپ سے درآمد ہوئے تھے اس تحریک کی تائید میں پیش کیے گئے تاکہ مسلمان دھوکے میں مبتلا ہوجائیں، اور ان پر یہ حقیقت نہ کھل سکے کہ اس تحریک کا اصل مقصد مسلمان عورت کو اس روش پر چلانا ہے جس پر یورپ کی عورت چل رہی ہے، اور نظام معاشرت میں اُن طریقوں کی پیروی کرنا ہے جو اس وقت فرنگی قوموں میں رائج ہیں۔

سب سے بڑا فریب | لیکن سب سے زیادہ شدید اور قبیح فریب جو اس سلسلہ میں دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن اور حدیث سے استدلال کرکے اس تحریک کو اسلام کے موافق ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، حالانکہ دونوں کے مقاصد اور تنظیم معاشرت کے اصولوں میں زمین وآسمان کا بعد ہے۔ اسلام کا اصل مقصد جیسا کہ ہم آگے چل کر بتائیں گے، انسان کی شہوانی قوت (Sex energy) کو اخلاقی ڈسپلن میں لاکر اس طرح منضبط کرنا ہے کہ وہ آوارگی عمل اور ہیجان جذبات میں ضائع ہونے کے بجائے ایک پاکیزہ اور صالح تمدن کی تعمیر میں صرف ہو۔ برعکس اس کے مغربی تمدن کا مقصد یہ ہے کہ زندگی کے معاملات اور ذمہ داریوں میں عورت اور مرد کو یکساں شریک کیا جائے اور جنسی میلان کو ایسے فنون اور مشاغل میں استعمال کیا جائے جن سے کشمکش حیات کی تلخیاں لطف اور لذت میں تبدیل ہوجائیں مقاصد کے اس اختلاف کا لازمی نتیجہ تنظیم معاشرت کے طریقوں میں بھی اسلام اور مغربی تمدن کے درمیان اصولی اختلاف ہے اسلام اپنے مقصد کے لحاظ سے معاشرت کا ایسا نظام وضع کرتا ہے جس میں عورت اور مرد کے دوائر عمل بڑی حد تک الگ کردیے گئے ہیں۔ دونوں صنفوں کے آزادانہ اختلاط کو روکا گیا ہے اور ان تمام اسباب کا قلع قمع کیا گیا ہے جو اس نظم وضبط میں برہمی پیدا کرتے ہیں اس کے مقابلہ میں مغربی تمدن کے پیش نظر جو مقصد ہے اس کا طبعی اقتضا یہ ہے کہ دونوں صنفوں کے درمیان

سے وہ تمام حجابات اٹھا دیے جائیں جو ان کے آزادانہ اختلاط اور تعامل میں مانع ہوں اور ان کو ایک دوسرے کے حسن اور صنفی کمالات سے لطف اندوز نہ ہونے دیتے ہوں۔

اب ہر صاحب عقل انسان اندازہ کر سکتا ہے کہ جو لوگ ایک طرف مغربی تمدن کی پیروی کرنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف اسلامی نظم معاشرت کے قوانین کو اپنے لیے حجت بناتے ہیں وہ کس قدر سخت فریب میں خود مبتلا ہیں یا دوسروں کو مبتلا کر رہے ہیں۔ اسلامی نظم معاشرت میں تو عورت کے لیے آزادی کی آخری حد یہ ہے کہ حسب ضرورت ہاتھ اور منہ کھول سکے اور اپنی حاجات کے لیے گھر سے باہر نکل سکے۔ مگر یہ لوگ اس آخری حد کو اپنے سفر کا نقطۂ آغاز بناتے ہیں، اور ان منازل کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں جہاں حیا اور شرم بالائے طاق رکھ دی جاتی ہے، ہاتھ اور منہ ہی نہیں بلکہ خوبصورت مانگ نکلے ہوئے سر، اور شانوں تک کھلی ہوئی باہیں اور نیم عریاں سینے بھی نگاہوں کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اور جسم کے باقی ماندہ محاسن کو بھی ایسے باریک کپڑوں میں ملفوف کیا جاتا ہے جن میں سے ہر جاذب نظر چیز دیکھی جا سکتی ہے۔ پھر ان لباسوں اور آرائشوں کے ساتھ محرموں کے سامنے نہیں بلکہ دوستوں کی محفلوں میں بیویوں بہنوں اور بیٹیوں کو لایا جاتا ہے اور ان کو غیروں کے ساتھ ہنسنے بولنے اور کھیلنے میں وہ آزادی بخشی جاتی ہے جو مسلمان عورت اپنے بھائیوں کے ساتھ بھی نہیں برت سکتی۔ گھر سے نکلنے کی جو اجازت محض ضرورت کی قید اور کامل ستر پوشی و حیا داری کی شرط کے ساتھ دی گئی تھی اس کو جاذب نظر ساڑیوں اور نیم عریاں بلاؤزوں، اور بے باک نگاہوں کے ساتھ سڑکوں پر پھرنے، پارکوں میں ٹہلنے، ہوٹلوں کے چکر لگانے اور سینماؤں کی سیر کرنے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ عورتوں کو خانہ داری کے ماسوا زندگی کے دوسرے امور میں حصہ لینے کی جو مقید اور مشروط آزادی اسلام میں دی گئی تھی اس کو حجت بنایا جاتا ہے اس غرض کے لیے کہ مسلمان عورتیں بھی فرنگی عورتوں کی طرح حیات منزلی اور اس کی

ذمہ داریوں کو طلاق دے کر سیاسی معاشی اور عمرانی سرگرمیوں میں حصہ لیں، اور عمل کے ہر میدان میں مردوں کے ساتھ دوڑ دھوپ شروع کر دیں۔ اس طرح اس پورے نظام معاشرت کو جو اسلام نے قائم کیا ہے بیخ و بن سے اکھاڑنے کی کوشش کی جاتی ہے اس کی جگہ ایک دوسرا نظام معاشرت اختیار کیا جاتا ہے جو اپنے اصول اور مقاصد میں اسلامی نظام معاشرت کی بالکل ضد ہے، اور پھر اس فعل کی تائید میں استدلال کیا جاتا ہے قرآن و حدیث سے اور یقین دلایا جاتا ہے کہ ہم یہ سب کچھ اسلامی قانون ہی کی پیروی میں کر رہے ہیں۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی دجل و تلبیس اور فریب و دغا کی مثال دنیا میں کوئی اور ہو سکتی ہے؟

مغربی معاشرت کے اصول مغربی نظم معاشرت جس کی پیروی یہ لوگ کرنا چاہتے ہیں، اس کی بنیاد تین قاعدوں پر ہے۔

۱- عورتوں اور مردوں کی مساوات۔

۲- عورتوں کا معاشی استقلال۔

۳- دونوں صنفوں کا آزادانہ اختلاط۔

ان تین بنیادوں پر معاشرت کو از سر نو منظم کرنے کا تخیل اگرچہ انقلاب فرانس کے اثر سے پیدا ہوا تھا مگر عملاً یہ تنظیم انیسویں صدی کے وسط میں شروع ہوئی۔ جیسا کہ اس قسم کی تمام غیر متوازن اور غیر معتدل تنظیمات کا قاعدہ ہے، اس نئی تنظیم سے بھی ابتدا میں بہت خوشگوار نتائج ظاہر ہوئے۔ عورتوں میں اعلیٰ تعلیم پھیلی۔ سوسائٹی میں ان کا مرتبہ جس کو مسیحیت نے بہت گرا دیا تھا، بلند ہوا۔ بہت سے معاشرتی و تمدنی حقوق جو ان سے سلب کر لیے گئے تھے ان کو حاصل ہو گئے انہوں نے گھروں کو سنوارا۔ معاشرت میں نفاست پیدا کی۔ رفاہ عام کے بہت سے مفید کام انجام دیے۔ صحت عامہ کی ترقی بچوں کی تعلیم و تربیت، بیماروں کی خدمت اور سوسائٹی کے بدنصیب طبقوں کو پستی کے گڑھے سے نکالنے کی کوششوں میں ان کا حصہ ناقابل انکار رہے۔ لیکن اس کے بعد انسانی

فطرت کے تقضیات جن کی طرف سے ابتدا میں آنکھیں بند کر لی گئی تھیں، اپنے طبعی نتائج کے ساتھ رفتہ رفتہ ظاہر ہونے شروع ہوئے۔ ابتدائی مراحل سے گذرنے کے بعد عورتوں نے سیاست اور معیشت کے وسیع ترمیدانوں میں قدم رکھا، اور اس خارزار کی طرف پیش قدمی شروع کی جس کو بیداری اناث اور حریت نسواں کے بہت خوشنما ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اب اس دور کا آغاز ہوا جس میں انتخابات کی جد و جہد، دفتروں اور کارخانوں کی ملازمتیں، تجارت، صنعت و حرفت اور آزاد پیشوں میں مردوں کے ساتھ مسابقت، کھیلوں اور ورزشوں کی دوڑ دھوپ، سوسائٹی کے تفریحی مشاغل میں ایک عنصر لطیف کی حیثیت سے شرکت، کلب اور اسٹیج اور رقص و سرود کی سرگرمیاں عورت کی زندگی کے اہم تر اجزا بن گئیں، اور گھر کی تنظیم، حیات ازدواجی کی ذمہ داریاں، بچوں کی تربیت اور خاندان کی خدمت اس کے لائحہ عمل سے خارج ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ ان امور سے اس کی دلچسپی کم ہوتے ہوتے نفرت و استکراہ کی حد تک پہنچ گئی۔ اس دور کو محض ایک اتفاقی دور نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ طبعی نتیجہ ہے ان اساسی قاعدوں کا جن پر معاشرت کے اس جدید نظم کی بنا رکھی گئی ہے۔ آپ خواہ اس کا ارادہ کریں یا نہ کریں، بہرحال یہ دور ہر اس تنظیم میں آئے گا جو ان بنیادوں پر قائم ہو۔

اصول مذکورہ کے نتائج عملی زندگی میں مذکورہ بالا اصول ثلثہ کو نافذ کرنے سے جو نتائج ظاہر ہوئے ہیں وہ مختصراً حسب ذیل ہیں۔

۱۔ معاشی سیاسی اور اجتماعی سرگرمیوں میں عورت کے انہماک نے اس کو ان وظائف کی بجا آوری سے غافل کر دیا ہے جو فطرت نے اس کے اور صرف اسی کے سپرد کیے ہیں اور جن کی بجا آوری پر نہ صرف تمدن کے بقا، بلکہ نوع انسانی کے بقا کا انحصار ہے۔ عورت کی ذمہ داریوں اور دلچسپیوں کا دائرہ جتنا وسیع ہوتا جاتا ہے اتنا ہی عائلی زندگی (Family life

سے اس کا استکراہ اور ازدواجی ذمہ داریوں سے اس کا نفور اور افزائش نسل سے اس کا انحراف بھی بڑھتا جاتا ہے۔ خاندان جو دراصل تمدن کا سنگ بنیاد ہے منتشر ہو رہا ہے نکاح کا رشتہ جو تمدن کی خدمت میں مرد اور عورت کے تعاون کی صحیح صورت ہے کمزور ہوتا چلا جا رہا ہے گھر جو کبھی سکون اور راحت کی جنت تھے، دوزخ بنتے جا رہے ہیں۔ اور نسلوں کی افزائش کو برتھ کنٹرول اور اسقاط حمل اور قتل اولاد کے ذریعہ سے روکا جا رہا ہے۔

۲۔ عورت کے معاشی استقلال (Economic independece) نے اس کو مرد سے بے نیاز کر دیا ہے۔ وہ قدیم اصول کہ مرد کمائے اور عورت گھر کا انتظام کرے اب اس نئے قاعدے سے بدل گیا ہے کہ عورت اور مرد دونوں کمائیں، اور گھر کا انتظام بازار کے سپرد کر دیا جائے۔ اس انقلاب کے بعد دونوں کی زندگی میں بجز ایک شہوانی تعلق کے اور کوئی ایسا ربط باقی نہیں رہا جو ان کو ایک دوسرے سے وابستہ ہونے پر مجبور کرتا ہو، اور محض شہوانی خواہشات کو پورا کرنا کوئی ایسی ضرورت نہیں ہے جس کی خاطر وہ اپنے آپ کو ایک دائمی تعلق کی گرہ میں باندھنے اور ایک گھر بنانے پر آمادہ ہوں۔ جو عورت آزادی کے ساتھ اپنی روٹی آپ مہیا کرتی ہے اور اپنی تمام ضروریات کی خود کفیل ہے، اور اپنی زندگی میں کسی دوسرے کی حفاظت اور اعانت کی محتاج نہیں ہے وہ محض اپنی شہوانی خواہش کے لیے ایک شوہر کی بیوی بننے اور اپنے اوپر بہت سی قانونی اور اخلاقی پابندیاں عائد کر لینے اور ایک خاندان کی ذمہ داریوں کا بار سنبھالنے کے لیے کیوں مجبور ہو، درآنحالیکہ وہ اپنی اس خواہش کی تسکین کے لیے دوسرے آسان طریقے بھی اختیار کر سکتی ہے جن میں کسی قسم کی ذمہ داریاں اس پر عائد نہیں ہوتیں۔ آزاد شہوت رانی اب کوئی معیوب فعل نہیں رہا، دنیا ایسی عورت کو (Society woman) کے قابل فخر نام سے یاد کرتی ہے۔ اس کام میں اگر کوئی خطرہ ہے

تو صرف حرامی بچے کی پیدائش کا ہے سو اس سے بچنے کے لیے برتھ کنٹرول کے ذرائع موجود ہیں۔ ان ذرائع کے باوجود اگر حمل ٹھیر جائے تو اس کو ساقط کیا جا سکتا ہے۔ اگر اسقاط میں بھی کامیابی نہ ہو تو بچے کو خاموشی کے ساتھ قتل کیا جا سکتا ہے۔ اگر جذبۂ مادری نے (جو ابھی بالکل فنا نہیں ہوا ہے) بچے کو ہلاک کرنے سے بھی روک دیا تو حرامی بچے کی ماں بن جانے میں بھی کوئی مضایقہ نہیں کیونکہ اب "کنواری ماں" کی حمایت میں اتنا پروپگنڈا ہو چکا ہے کہ سوسائٹی اس کو کچھ زیادہ نفرت کی نظر سے نہیں دیکھتی۔

یہ وہ چیز ہے جس نے مغربی معاشرت کی جڑیں ہلا دی ہیں۔ آج ہر ملک میں لاکھوں جوان عورتیں تجرد پسند ہیں جن کی زندگیاں آزاد شہوت رانی میں بسر ہو رہی ہیں۔ ان سے بہت زیادہ تعداد ان عورتوں کی ہے جو عارضی میلان کے اثر سے شادیاں کرتی ہیں۔ مگر چونکہ اب شہوانی تعلق کے سوا مرد اور عورت کے درمیان کوئی احتیاجی ربط باقی نہیں رہا ہے، نہ شوہر اپنی خانگی راحت کے لیے بیوی کا محتاج ہے اور نہ بیوی اپنی بسر اوقات کے لیے شوہر کی محتاج، اس لیے مناکحت کے رشتہ میں اب کوئی پائداری نہیں رہی۔ میاں اور بیوی جو ایک دوسرے سے بالکل بے نیاز ہو چکے ہیں آپس کے تعلقات میں کسی مراعات باہمی اور مدارات (Compromise) کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ایک ادنیٰ وجہ اختلاف ان کو ایک دوسرے سے جدا کر دینے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیشتر نکاحوں کا انجام طلاق یا تفریق پر ہوتا ہے۔ منع حمل اور اسقاط اور قتل اولاد کی کثرت اور حرامی بچوں کی بڑھتی ہوئی تعداد بھی بڑی حد تک اسی سبب کی رہین منت ہے۔ زنا اور امراض خبیثہ کی ترقی میں بھی اس کا دخل کچھ کم نہیں۔

۳۔ مردوں اور عورتوں کے آزادانہ اختلاط نے عورتوں میں حسن کی نمائش، عریانی

اور بے حیائی کو غیر معمولی ترقی دیدی ہے۔ جنسی میلان عورت اور مرد کی فطرت میں یکساں ودیعت کیا گیا ہے۔ اور دونوں صنفوں کے آزادانہ میل جول میں اس کا حد اعتدال سے بڑھ جانا یقینی ہے۔ ایسے ماحول میں ہر عورت اور ہر مرد میں فطرۃً یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ صنف مقابل کے لیے زیادہ سے زیادہ جاذب نظر بنے۔ یہ چیز ابتدا میں محض زینت و آرائش کی حد تک تھی۔ مگر رفتہ رفتہ اس نے عریانی کی صورت اختیار کرلی۔ عورتوں میں اپنے جسم کے پوشیدہ محاسن کو نمایاں کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ لباس مختصر ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ اس کو سینوں اور شانوں اور پنڈلیوں کے لیے مستقل طور پر جگہ خالی کردینی پڑی مگر عورتوں کا شوقِ نمائشِ حسن اس حد پر بھی نہ ٹھیرا غسل کے لباس میں برہنگی نے اس سے آگے قدم بڑھایا اور اسٹیج پر تو ایک ذرا سے حصۂ جسم کے سوا پورا جسم برہنہ کردیا گیا۔ عریانی کی نمائش نے "آرٹ" کی صورت اختیار کرلی۔ ادب کے نام سے بدترین قسم کا فحش لٹریچر شائع ہونے لگا ننگی تصویریں برسرعام فروخت ہونے لگیں۔ اور صنفی لٹریچر جو کبھی صرف طبی معلومات کے لیے لکھا جاتا تھا، ہر جوان مرد اور جوان عورت کے ہاتھوں میں پہنچنے لگا۔ فواحش اور امراض خبیثہ کی کثرت سب سے بڑھ کر اسی چیز کی منت کش بنے۔ جو لوگ ہر طرف سے شہوانی محرکات میں گھرے ہوئے ہوں جن پر ایک سخت ہیجان انگیز ماحول پوری طرح محیط ہوگیا ہو، جن کے جذبات کو ہر آن ایک نئی تحریک اور ایک نئے اشتعال سے سابقہ پڑے، عریاں تصویریں، فحش لٹریچر، عشق و محبت کے فلم، ولولہ انگیز گانے، برانگیختہ کرنے والے ناچ، جن کے خون کو ہر وقت جوش میں لاتے رہیں، اور پھر جن کو آزادی کے ساتھ صنفِ مقابل سے ملنے کے مواقع بھی حاصل ہوں اور داعیات نفس کی تکمیل میں کوئی رکاوٹ بھی نہ ہو وہ فرشتے نہیں ہیں کہ قعر دریا میں رہ کر بھی دامن تر نہ ہونے دیں۔

امریکہ کی مثال | یہ محض قیاسات نہیں ہیں، واقعات ہیں، ناقابل انکار حقائق ہیں۔ یہاں اس کا

موقع نہیں کہ شہادت میں ان تمام ممالک کے حالات پیش کیے جاسکیں جنہوں نے یہ طرز معاشرت اختیار کیا ہے۔ اختصار کو مدنظر رکھکر ہم صرف امریکہ کو مثال میں پیش کریں گے۔ اگرچہ ایک غیر قوم کے عیوب بیان کرنا کوئی خوشگوار کام نہیں ہے، لیکن کسی طرز معاشرت کے اصولوں کی تنقید اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک یہ نہ دیکھ لیا جائے کہ عملی زندگی میں ان اصولوں کے برتنے سے کیا نتائج رونما ہوئے ہیں۔

بچوں پر ماحول کے اثرات | جج بن لینڈسے (Ben Lindsey) جس کو ڈنور (Denver) کی عدالت جرائم اطفال (Juvenile Court) کا صدر ہونے کی حیثیت سے امریکہ کے نوجوانوں کی اخلاقی حالت سے واقف ہونے کا بہت زیادہ موقع ملا ہے اپنی کتاب (Revolt of Modrn Youth) میں لکھتا ہے کہ امریکہ میں بچے قبل از وقت بالغ ہونے لگے ہیں اور بہت کچی عمر میں ان کے اندر صنفی احساسات بیدار ہوجاتے ہیں ۳۱۲ لڑکیاں جن کے حالات کی تحقیق اس نے کی، ان میں سے ۲۶۵ ایسی تھیں جو گیارہ اور تیرہ برس کے درمیان عمر میں بالغ ہوچکی تھیں اور ان کے اندر ایسی صنفی خواہشات اور ایسے جسمانی مطالبات کے آثار پائے جاتے تھے جو ایک ۱۸ برس اور اس سے بھی زیادہ عمر کی لڑکی میں ہونے چاہئیں[1]۔ ڈاکٹر ایڈتھ ہوکر (Hooker) اپنی کتاب (Laws of sex) میں لکھتا ہے کہ نہایت مہذب اور دولت مند طبقوں میں بھی یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے کہ سات آٹھ برس کی لڑکیاں اپنے ہم عمر لڑکوں سے عشق و محبت کے تعلقات رکھتی ہیں جن کے ساتھ بسا اوقات مباشرت بھی ہوجاتی ہے۔ اس کا بیان ہے کہ:-

"ایک سات برس کی چھوٹی سی لڑکی جو ایک نہایت شائستہ خاندان کی چشم و

---

[1] صفحہ ۸۲ تا ۸۶۔

چراغ بھی خود اپنے بڑے بھائی اور اس کے چند دوستوں سے ملوث ہوئی۔ ایک دوسرا واقعہ یہ ہے کہ پانچ بچوں کا ایک گروہ جو دو لڑکیوں اور تین لڑکوں پر مشتمل تھا اور جن کے گھر پاس پاس واقع تھے باہم شہوانی تعلقات میں وابستہ پائے گئے اور انہوں نے دوسرے ہم سن بچوں کو بھی اس کی ترغیب دی۔ ان میں سب سے بڑے بچے کی عمر صرف دس سال تھی۔ ایک اور واقعہ ایک ۹ سال کی بچی کا ہے جو بظاہر بہت حفاظت سے رکھی جاتی تھی۔ اس بچی کو متعدد "عشاق" کی منظور نظر ہونے کا فخر حاصل تھا"[1]

بالٹیمور Baltimore کے ایک ڈاکٹر کی رپورٹ ہے کہ ایک سال کے اندر اس کے شہر میں ایک ہزار سے زیادہ ایسے مقدمات پیش ہوئے جن میں بارہ برس سے کم عمر کی لڑکیوں کے ساتھ مباشرت کی گئی تھی[2]

یہ پہلا ثمرہ ہے اس ہیجان انگیز ماحول کا جس میں ہر طرف جذبات کو برانگیختہ کرنے والے اسباب فراہم ہوگئے ہیں۔ امریکہ کا ایک مصنف لکھتا ہے کہ "ہماری آبادی کا اکثر و بیشتر حصہ آج کل جن حالات میں زندگی بسر کر رہا ہے وہ اس قدر غیر فطری ہیں کہ لڑکے اور لڑکیوں کو دس پندرہ برس کی عمر ہی میں یہ خیال پیدا ہوجاتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ عشق رکھتے ہیں۔ اس کا نتیجہ نہایت افسوسناک ہے۔ اس قسم کی قبل از وقت صنفی دلچسپیوں سے بہت برے نتائج رونما ہوسکتے ہیں اور ہوا کرتے ہیں۔ ان کا کم سے کم نتیجہ یہ ہے کہ نوعمر لڑکیاں اپنے دوستوں کے ساتھ بھاگ جاتی ہیں یا کم سنی میں شادیاں کرلیتی ہیں۔ اور اگر محبت میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے تو خودکشی کرلیتی ہیں"۔

[1] صفحہ ۸۲۳

[2] صفحہ ۱۷۷

تعلیم کا مرحلہ اس طرح جن بچوں میں قبل از وقت صنفی احساسات بیدار ہو جاتے ہیں ان کے لیے پہلی تجربہ گاہ مدارس ہیں۔ مدرسے دو قسم کے ہیں۔ ایک قسم ان مدرسوں کی ہے جن میں ایک ہی صنف کے بچے داخل ہوتے ہیں۔ دوسری قسم ان مدرسوں کی جن میں تعلیم مخلوط ہے۔

پہلی قسم کے مدرسوں میں صحبت ہم جنس (Homo-sexuality) اور خود کاری (Masturbation) کی وبا پھیل رہی ہے، کیونکہ جن جذبات کو بچپن ہی میں بھڑکایا جا چکا ہے، اور جن کو مشتعل کرنے کے سامان فضا میں ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں، وہ اپنی تسکین کے لیے کوئی نہ کوئی صورت نکالنے پر مجبور رہیں۔ ڈاکٹر ہوکر لکھتا ہے کہ اس قسم کی تعلیم گاہوں، کالجوں، نرسوں کے ٹریننگ اسکولوں اور مذہبی مدرسوں میں ہمیشہ اس قسم کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں جن میں ایک ہی صنف کے دو فرد آپس میں شہوانی تعلق رکھتے ہیں اور صنف مقابل سے ان کی دلچسپی فنا ہو چکی ہے[۱]۔ ایک مرتبہ ایک مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر نے بہ خاندانوں کو خفیہ طریقہ سے اطلاع دی کہ ان کے لڑکے اب مدرسہ میں نہیں رکھے جا سکتے کیونکہ ان میں "بداخلاقی کی ایک خوفناک حالت" کا پتہ چلا ہے[۲]۔ لاز آف سکس کے مصنف نے بکثرت واقعات ایسے بیان کیے ہیں جن میں لڑکیاں لڑکوں کے ساتھ اور لڑکے لڑکیوں کے ساتھ ملوث ہوئے اور دردناک انجام سے دوچار ہوئے۔ بعض دوسری کتابوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحبت ہم جنس کی وبا کس قدر کثرت سے پھیلی ہوئی ہے۔

اب دوسری قسم کے مدارس کو لیجیے جن میں لڑکیاں اور لڑکے ساتھ مل کر پڑھتے ہیں یہاں اشتعال کے اسباب بھی موجود ہیں اور اس کو تسکین دینے کے اسباب بھی جس

---

[۱] Laws of sex P. 331

[۲] Herself. by Dr Lowry. P.179

ہیجان جذبات کی ابتدا بچپن میں ہوئی تھی یہاں پہنچکر اس کی تکمیل ہوجاتی ہے۔ بدترین قسم کا فحش لٹریچر نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے زیر مطالعہ رہتا ہے۔ عشقیہ افسانے، نام نہاد "آرٹ" کے رسالے، صنفی مسائل پر نہایت گندی کتابیں، اور برتھ کنٹرول کی معلومات فراہم کرنے والے مضامین۔ یہ ہیں وہ چیزیں جو عنفوان شباب میں مدرسوں اور کالجوں کے طالبین وطالبات کے لیے سب سے زیادہ جالب نظر ہوتی ہیں۔ مشہور امریکن مصنف Hendrich Van Loon کہتا ہے کہ "یہ لٹریچر جس کی سب سے زیادہ مانگ امریکن یونیورسٹیوں میں ہے 'گندگی' فحش اور بیہودگی کا بدترین مجموعہ ہے جو کسی زمانہ میں اس قدر آزادی کے ساتھ پبلک میں پیش نہیں کیا گیا۔" پھر دونوں صنفوں کے نوجوان آپس میں صنفیات پر نہایت آزادی اور بے باکی سے مباحثے کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد عملی تجربات کی طرف قدم بڑھایا جاتا ہے۔ لڑکے اور لڑکیاں مل کر Petting parties کے لیے نکلتے ہیں جن میں شراب اور سگرٹ کا استعمال خوب آزادی سے ہوتا ہے اور ناچ رنگ سے پورا لطف اٹھایا جاتا ہے[1]۔ لنڈسے کا اندازہ ہے کہ ہائی اسکول کی کم از کم ۴۵ فی صدی لڑکیاں مدرسہ چھوڑنے سے پہلے خراب ہوچکتی ہیں اور بعد کے تعلیمی مدارج میں اوسطاً اس سے بہت زیادہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:۔

> "لڑکیاں خود اس چیز کے لیے اُن لڑکوں سے اصرار کرتی ہیں جن کے ساتھ وہ (تفریحی مشاغل کے لیے) جاتی ہیں، اور اس قسم کے ہیجانات کی طلب میں ایک پرفریب طریقہ سے وہ اتنی ہی دراز دست (Aggressive) ہوتی ہیں جتنے خود لڑکے ہوتے ہیں[2]۔"

---

[1] How I can get married P. 172

[2] Revolt of Modern Youth. P. 57

دوسری جگہ لکھتا ہے کہ :—

"ہائی اسکول کا لڑکا بمقابلہ ہائی اسکول کی لڑکی کے اظہار جذبات کی شدت میں بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔ عموماً لڑکی ہی پیش قدمی کرتی ہے، خواہ وہ کسی قسم کی ہو، اور لڑکا اس کے اشاروں پر ناچتا ہے۔"[1]

تین زبردست محرکات مدرسے اور کالج میں پھر بھی ایک قسم کا ڈسپلن ہوتا ہے جو کسی نہ کسی حد تک آزادیٔ عمل میں رکاوٹ پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن یہ نوجوان جب تعلیمگاہوں سے مشتعل جذبات، بگڑی ہوی عادات اور ایک بے اسر شہوانی ماحول میں پرورش کیا ہوا نظریۂ حیات لے کر زندگی کے وسیع تر عملی میدان میں قدم رکھتے ہیں تو ان کی شورش تمام حدود و قیود سے آزاد ہو جاتی ہے۔ یہاں ان کے جذبات کو بھڑکانے کے لیے ایک پورا آتش خانہ موجود ہوتا ہے اور ان بھڑکے ہوئے جذبات کی تسکین کے لیے ہر قسم کا سامان بھی کسی وقت کے بغیر فراہم ہو جاتا ہے۔

ایک امریکن رسالہ میں ان اسباب کو جن کی وجہ سے وہاں بداخلاقی کی غیر معمولی اشاعت ہو رہی ہے، اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔

"تین شیطانی قوتیں ہیں جن کی تثلیث آج ہماری دنیا پر چھا گئی ہے اور یہ تینوں ایک جہنم کی تخلیق کر رہی ہیں۔ فحش لٹریچر جو جنگ عظیم کے بعد سے حیرت انگیز رفتار کے ساتھ اپنی بے شرمی اور کثرت اشاعت میں بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ متحرک تصویریں جو شہوانی محبت کے جذبات کو نہ صرف بھڑکاتی ہیں بلکہ عملی سبق بھی دیتی ہیں۔ عورتوں کا گرا ہوا اخلاقی معیار جو ان کے لباس اور بسا اوقات ان کی برہنگی، اور سگریٹ کے روز افزوں استعمال اور مردوں کے ساتھ ان کے ہر قید و امتیاز سے ناآشنا اختلاط

[1] Revolt of Modern Yuoth. P. 55

میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تین چیزیں ہمارے ہاں بڑھتی چلی جارہی ہیں اور ان کا نتیجہ مسیحی تہذیب و معاشرت کا زوال اور آخر کار کامل تباہی ہے۔ اگر ان کو نہ روکا گیا تو ہماری تاریخ بھی روم اور ان دوسری قوموں کے مماثل ہوگی جن کو یہی نفس پرستی اور شہوانیت ان کی شراب اور عورتوں اور ناچ رنگ سمیت فنا کے گھاٹ اتار چکی ہے۔

یہ تین اسباب جو تمدن و معاشرت کی پوری فضا پر چھائے ہوئے ہیں ہر اس جوان مرد اور جوان عورت کے جذبات میں ایک دائمی تحریک پیدا کرتے رہتے ہیں جس کے جسم میں تھوڑا سا بھی گرم خون موجود ہے۔ فواحش کی کثرت، اس تحریک کا لازمی نتیجہ ہے۔

فواحش کی کثرت | جن عورتوں نے زناکاری کو مستقل پیشہ بنا لیا ہے ان کی تعداد کا کم سے کم اندازہ چار اور پانچ لاکھ کے درمیان ہے[1]۔ یہ شیطان کی باضابطہ فوج ہے۔ مگر امریکہ کی رنڈی کو ہندوستان کی رنڈی پر قیاس نہ کیجئے۔ وہ خاندانی رنڈی نہیں ہے بلکہ وہ ایک ایسی عورت ہے جو کل تک کوئی آزاد پیشہ کرتی تھی۔ بری صحبت میں خراب ہوگئی اور قحبہ خانے میں آن بیٹھی۔ چند سال یہاں گذارے گی۔ پھر اس کام کو چھوڑ کر کسی دفتر یا کارخانہ میں ملازم ہو جائے گی۔ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ امریکہ کی ۵۰ فی صدی رنڈیاں خانگی ملازموں (Domestic servants) میں سے بھرتی ہوتی ہیں اور باقی پچاس فی صدی ہسپتالوں دفتروں اور دوکانوں کی ملازمتیں چھوڑ کر آتی ہیں۔ عموماً پندرہ اور بیس سال کے درمیان عمر میں یہ پیشہ شروع کیا جاتا ہے اور پچیس تیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد وہ عورت جو کل تک رنڈی تھی قحبہ خانے سے منتقل ہو کر کسی دوسرے آزاد پیشے میں چلی جاتی ہے[2]۔ اس سے اندازہ کیا

[1] Prostitution in the United States P. 38
[2] Prostitution in the United States. P. 64-69

جاسکتا ہے کہ امریکہ میں چار پانچ لاکھ رنڈیوں کی موجودگی درحقیقت کیا معنی رکھتی ہے۔

قحبہ خانوں کے علاوہ بکثرت Assignation Houses اور Call Houses ہیں، جو اس غرض کے لیے آراستہ رکھے جاتے ہیں کہ "شریف" اصحاب اور خواتین جب باہم ملاقات فرمانا چاہیں تو وہاں ان کی ملاقات کا انتظام کر دیا جائے۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ ایک شہر میں ایسے ۷۸ مکان تھے۔ ایک دوسرے شہر میں ۴۳۔ ایک اور شہر میں ۳۳[1]۔ ان مکانوں میں صرف بن بیاہی خواتین ہی نہیں جاتیں بلکہ بہت سی بیاہی ہوئی خواتین کا بھی وہاں گذر ہوتا رہتا ہے[2]۔ ایک مشہور ریفارمر کا بیان ہے کہ "نیو یارک کی شادی شدہ آبادی کا پورا ایک تہائی حصہ ایسا ہے جو اخلاقی اور جسمانی حیثیت سے اپنی ازدواجی ذمہ داریوں میں وفادار نہیں ہے۔ اور نیو یارک کی حالت ملک کے دوسرے حصوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں[3]"۔

امریکہ کے مصلحین اخلاق کی ایک مجلس (Committee of fourteen) کے نام سے مشہور ہے۔ اس مجلس کی طرف سے بداخلاقی کے مرکزوں کی تلاش اور ملک کی اخلاقی حالت کی تحقیقات اور اصلاح اخلاق کی عملی تدابیر کا کام بڑے پیمانے پر کیا جاتا ہے۔ اس کی رپورٹوں میں بیان کیا گیا ہے کہ امریکہ کے جتنے رقص خانے، نائٹ کلب، Beauty Saloons، Hair Dressing اور Massage Manicure - Shops ہیں قریب قریب سب کے سب باقاعدہ قحبہ خانے بن چکے ہیں، بلکہ ان سے بدتر

---

[1] Prostitution in the United States. P. 138 - 39

[2] Ibid. P. 96

[3] Herself. by Dr. Lowrey. P. 116

کیونکہ وہاں ناقابل بیان افعال کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔

امراض خبیثہ فواحش کی اس کثرت کا لازمی نتیجہ امراض خبیثہ کی کثرت ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ امریکہ کی قریب قریب ۹۰ فی صدی آبادی ان امراض سے متاثر ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے سرکاری دواخانوں میں اوسطاً ہر سال آتشک کے ۲ لاکھ اور سوزاک کے ایک لاکھ ۶۰ ہزار مریضوں کا علاج کیا جاتا ہے۔ ۶۵۰ دواخانے صرف انہی امراض کے لیے مخصوص ہیں۔ مگر سرکاری دواخانوں سے زیادہ مرجوعہ پرائیویٹ ڈاکٹروں کا ہے جن کے پاس آتشک کے ۶۱ فی صدی اور سوزاک کے ۸۹ فی صدی مریض جاتے ہیں (ملاحظہ ہو جلد ۲۳ صفحہ ۴۵) تیس اور چالیس ہزار کے درمیان بچوں کی اموات صرف موروثی آتشک کی بدولت ہوتی ہیں۔ دق کے سوا بقیہ تمام امراض سے جتنی موتیں واقع ہوتی ہیں ان سب سے زیادہ تعداد ان اموات کی ہے جو صرف آتشک کی بدولت ہوتی ہیں۔ سوزاک کے متعلق ماہرین کا کم سے کم تخمینہ یہ ہے کہ ۶۰ فی صدی جوان اشخاص اس مرض میں مبتلا ہیں، جن میں شادی شدہ بھی ہیں اور غیر شادی شدہ بھی۔ امراض نسوان کے ماہرین کا متفقہ بیان یہ ہے کہ شادی شدہ عورتوں کے اعضاء جنسی پر جتنے آپریشن کیے جاتے ہیں ان میں سے ۷۵ فی صدی ایسی نکلتی ہیں جن میں سوزاک کا اثر پایا جاتا ہے۔ [1]

طلاق اور تفریق ایسے حالات میں خاندان کا نظم اور ازدواج کا مقدس رابطہ قائم رہنا قریب قریب ناممکن ہے۔ آزادی کے ساتھ اپنی روزی کمانے والی عورتیں جن کو شہوانی ضروریات کے سوا اپنی زندگی کے کسی شعبہ میں بھی مرد کی ضرورت نہیں ہے، اور جن کو شادی کے بغیر آسانی کے ساتھ مردل بھی سکتے ہیں، شادی کو ایک فضول چیز سمجھتی ہیں۔ جدید فلسفہ اور مادہ پرستانہ خیالات

---

[1] Laws of Sex. P. 204

نے ان کے وجدان سے یہ احساس بھی دور کر دیا ہے کہ شادی کے بغیر کسی شخص سے تعلقات رکھنا کوئی عیب یا گناہ ہے۔ سوسائٹی کو بھی اس ماحول نے اس قدر بے حس بنا دیا ہے کہ وہ ایسی عورتوں کو قابل نفرت یا ملامت نہیں سمجھتی۔ جج لنڈسے امریکہ کی عام لڑکیوں کے خیالات کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتا ہے :۔

"میں شادی کیوں کروں۔ میرے ساتھ کی جن لڑکیوں نے گذشتہ دو سال میں شادیاں کی ہیں۔ ہر دس میں سے پانچ کی شادی کا انجام طلاق پر ہوا۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس زمانہ کی ہر لڑکی محبت کے معاملہ میں آزادی عمل کا فطری حق رکھتی ہے۔ ہم کو منع حمل کی کافی تدبیریں معلوم ہیں۔ اس ذریعہ سے یہ خطرہ بھی دور کیا جا سکتا ہے کہ ایک حرامی بچے کی پیدائش کوئی پیچیدہ صورت حال پیدا کر دے گی۔ ہم کو یقین ہے کہ روایتی طریقوں کو اس جدید طریقہ سے بدل دینا کامن سنس کا مقتضا ہے"۔

ان خیالات کی بے شرم عورتوں کو اگر کوئی چیز شادی پر آمادہ کرتی ہے تو وہ صرف جذبۂ محبت ہے لیکن اکثر یہ جذبہ بھی دل اور روح کی گہرائی میں نہیں ہوتا، بلکہ محض ایک عارضی کشش کا نتیجہ ہوتا ہے۔ خواہشات کا نشہ اتر جانے کے بعد زوجین میں کوئی الفت باقی نہیں رہتی مزاج اور عادات کی ادنیٰ ناموافقت ان کے درمیان منافرت پیدا کر دیتی ہے۔ آخرکار عدالت میں طلاق یا تفریق کا دعویٰ پیش ہو جاتا ہے۔ لنڈسے لکھتا ہے کہ۔

"۱۹۲۲ء میں ڈنور میں ہر شادی کے ساتھ ایک واقعہ تفریق کا پیش آیا۔ اور ہر دو شادیوں کے مقابلہ میں ایک مقدمہ طلاق کا پیش ہوا۔ یہ حالت محض ڈنور ہی کی نہیں ہے۔ امریکہ کے تقریباً تمام شہروں کی قریب قریب یہی حالت ہے۔

پھر وہ کہتا ہے کہ :۔

"طلاق اور تفریق کے واقعات بڑھتے جا رہے ہیں اور اگر یہی حالت رہی جیسی کہ امید ہے، تو غالباً ملک کے اکثر حصوں میں جتنے شادی کے لائسنس دیے جائیں گے اتنے ہی طلاق کے مقدمے پیش ہوں گے" [1]

کچھ عرصہ ہوا کہ Detrcit کے اخبار (Free Press) میں ان حالات پر ایک مضمون شائع ہوا تھا جس کا ایک فقرہ یہ ہے۔

"نکاحوں کی کمی، طلاقوں کی زیادتی، اور نکاح کے بغیر مستقل یا عارضی ناجائز تعلقات کی کثرت یہ معنی رکھتی ہے کہ ہم حیوانیت کی طرف واپس جا رہے ہیں، بچے پیدا کرنے کی فطری خواہش مٹ رہی ہے، پیدا شدہ بچوں سے غفلت کی جا رہی ہے، اور اس امر کا احساس رخصت ہو رہا ہے کہ خاندان اور گھر کی تعمیر، تہذیب اور آزاد حکومت کے بقا کے لیے ضروری ہے، بلکہ اس کے برعکس تہذیب اور حکومت کے انجام سے ایک بے دردانہ بے اعتنائی پیدا ہو رہی ہے۔"

طلاق و تفریق کی اس کثرت کا علاج اب یہ نکالا گیا ہے کہ Companionate marriage یعنی "آزمائشی نکاح" کو رواج دیا جائے۔ مگر یہ علاج اصل مرض سے بھی بدتر ہے آزمائشی نکاح کے معنی یہ ہیں کہ مرد اور عورت "پرانے فیشن" کی شادی کیے بغیر کچھ عرصہ تک باہم مل کر رہیں۔ اگر اس یکجائی میں دل سے دل مل جائے تو شادی کر لیں۔ ورنہ دونوں الگ ہو کر کہیں اور قسمت آزمائی کریں۔ دوران آزمائش میں دونوں کو اولاد پیدا کرنے سے پرہیز کرنا لازم ہے، کیونکہ بچے کی پیدائش کے بعد ان کو باضابطہ نکاح کرنا پڑے گا۔ یہ وہی چیز ہے جس کا نام روس میں آزاد محبت (Free love) ہے۔

[1] Revolt of Modern Yuoth. P. 211-14

قومی خودکشی | نفس پرستی، ازدواجی زمہ داریوں سے نفرت، خاندانی زندگی سے بیزاری، اور ازدواجی تعلقات کی ناپائیداری۔ یہ وہ چیزیں ہیں جنہوں نے عورت کے دل سے اُس جذبۂ مادری کو فنا کر دیا ہے جو نسوانی جذبات میں سب سے زیادہ اشرف و اعلیٰ روحانی جذبہ ہے اور جس کے بقا پر نہ صرف تمدن و تہذیب بلکہ انسانیت کے بقا کا انحصار ہے۔ برتھ کنٹرول، اسقاط حمل اور قتل اطفال اسی جذبہ کی موت سے پیدا ہوئے ہیں۔ برتھ کنٹرول کی معلومات ہر قسم کی قانونی پابندیوں کے باوجود ممالک متحدہ امریکہ میں ہر جوان لڑکی اور لڑکے کو حاصل ہیں۔ منع حمل کا سامان بھی آزادی کے ساتھ دوکانوں پر فروخت ہوتا ہے۔ عام آزاد عورتیں تو درکنار مدرسوں اور کالجوں کی لڑکیاں بھی اس سامان کو ہمیشہ اپنے پاس رکھتی ہیں، تاکہ اگر ان کا دوست اتفاقاً اپنا سامان بھول آئے تو ایک پرلطف شام ضائع نہ ہونے پائے۔ جج لنڈسے لکھتا ہے:-

"ہائی اسکول کی عمر والی ۴۹۵ لڑکیاں جنہوں نے خود مجھ سے اقرار کیا کہ انکو لڑکوں سے صنفی تعلقات کا تجربہ ہو چکا ہے، ان میں سے صرف ۲۵ ایسی تھیں جن کو حمل ٹھیر گیا تھا۔ ان میں سے بعض تو اتفاقاً بچ گئی تھیں لیکن اکثر کو منع حمل کی موثر تدابیر کا کافی علم تھا۔ یہ واقفیت ان میں اتنی عام ہو چکی ہے کہ لوگوں کو اس کا صحیح اندازہ نہیں ہے"[1]

کنواری لڑکیاں ان تدابیر کو اس لیے استعمال کرتی ہیں کہ ان کا عیب چھپا رہے۔ شادی شدہ عورتیں اس لیے ان سے استفادہ کرتی ہیں کہ بچہ کی پیدائش سے نہ صرف ان پر تربیت اور تعلیم کا بار پڑ جاتا ہے، بلکہ شوہر کو طلاق دینے کی آزادی میں بھی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے اور تمام عورتیں اس لیے ماں بننے سے نفرت کرنے لگی ہیں کہ زندگی کا پورا پورا لطف اٹھانے کے لیے

[1] Revolt of Modern Yuoth. P. 64

ان کو اس جنجال سے بچنے کی ضرورت ہے۔ نیز اس لیے بھی کہ ان کے نزدیک بچے جننے سے ان کے حسن میں فرق آجاتا ہے[ؔ]۔ بہرحال اسباب خواہ کچھ بھی ہوں۔ ۹۵ فی صدی تعلقات مرد و زن ایسے ہیں جن میں اس تعلق کے فطری نتیجے کو منع حمل کی تدبیروں سے روک دیا جاتا ہے۔

باقی ماندہ پانچ فی صدی حوادث جن میں اتفاقاً حمل قرار پا جاتا ہے، ان کے لیے اسقاط اور قتل اطفال کی تدبیریں موجود ہیں۔ جج لنڈسے کا بیان ہے کہ امریکہ میں ہر سال کم از کم ۱۵ لاکھ حمل ساقط کیے جاتے ہیں۔ اور ہزارہا بچے پیدا ہوتے ہی قتل کر دیے جاتے ہیں[ؔ]۔

روس کی مثال یہ ہیں اس نظام معاشرت کے ثمرات جو مساوات مرد و زن، اور عورتوں کے معاشی استقلال، اور حریت نسواں کی تثلیث پر تعمیر کیا گیا ہے۔ ہم نے صرف امریکہ کے حالات پر ایک سرسری نظر ڈالی ہے لیکن کم و بیش یہی حال ان تمام ممالک کا ہے جنہوں نے ان اصول ثلاثہ پر اپنی معاشرت کی تنظیم کی ہے، خواہ وہ انگلستان ہو یا فرانس، یا جرمنی بلکہ ان سب سے زیادہ بدتر اخلاقی حالت روس کی ہے کیونکہ وہاں اس نظام معاشرت کی پشت پر ایک انتہا درجہ کا مادہ پرستانہ فلسفہ بھی موجود ہے جس نے تمام ان اخلاقی معیاروں کا خاتمہ کر دیا ہے جن پر ابتدائے آفرینش سے لیکر اب تک انسانی تہذیب و شرافت کی بنیاد قائم تھی۔ امریکہ اور یورپ ابھی تک برائے نام مسیحی ہیں اور مسیحی اخلاقیات کا کچھ نہ کچھ اثر وہاں موجود ہے۔ مگر روس اس جوئے کو بھی اتار کر کمیونسٹ ہو چکا ہے۔ ایک پکا کمیونسٹ مادیت کے سوا کسی مذہب یا کسی اخلاقی فلسفہ کا قائل نہیں، اور مادیت کی نگاہ میں اخلاق کوئی چیز نہیں۔ اخلاقی تصورات محض وہم ہیں جن کو بورژوا طبقہ نے اختراع کر لیا ہے۔ طبعی خواہشات اور ان کو پورا کرنے کے طبعی وسائل

لہ Manhood and Marriage. by Macfaddan. P 82

ٹہ Revolt of M[illegible] .ern Youth. P. 220

ایک مادی حقیقت ہیں، اور ایک مادی حقیقت کو اپنے طبیعی ڈھنگ پر ہی ظاہر ہونا چاہیے۔ اس جدید فلسفہ نے روس میں جو نیا اخلاقی بلکہ درحقیقت غیر اخلاقی نظریہ پیدا کیا ہے اس کا نتیجہ آزاد محبت (Free Love) کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ یعنی مرد اور عورت کے شہوانی تعلق میں قریب قریب وہی آزادی جو حیوانات کو حاصل ہے۔ لڑکیاں اور لڑکے بہائم کی طرح آزادی سے ساتھ ملیں۔ اگر چاہیں تو اپنے اس تعلق کو باضابطہ درج رجسٹر کرالیں، اور جب دل بھر جائے تین روبل (تقریباً ۴ آنہ) فیس داخل کرکے Zags office سے علیحدگی کا پروانہ حاصل کرلیں نکاح اور سفاح میں درحقیقت کوئی قانونی یا اخلاقی امتیاز نہیں، نہ ایک حلالی بچہ کسی حیثیت سے حرامی بچے سے ممتاز ہے۔

راستہ کدھر جارہا ہے یہ آخری منزل ہے اس سفر کی جس کا آغاز محض منہ اور ہاتھ کھولنے کی "شرعی" اجازت سے کیا جارہا ہے۔ اسلام میں آزادی کی جو آخری حد ہے، وہ اس سفر کا پہلا قدم ہے، اور اس کا آخری قدم دوزخ کے دروازے پر ہے۔ آزادی نسواں کے حامی یہ سب کچھ سن کر ضرور کہینگے کہ حاشا وکلا، ہم اس حد تک جانے کا ہرگز ارادہ نہیں رکھتے۔ مگر ہم کہتے ہیں آپ ارادہ فرمائیں یا نہ فرمائیں، جس ٹرین پر آپ سوار ہو رہے ہیں وہ تو اسی طرف جارہی ہے اور آخری منزل تک پہنچے بغیر نہ رکے گی۔ انیسویں صدی میں یورپ کے جن مفکرین نے اس تحریک کو جاری کیا تھا ان کے بھی حاشیہ خیال میں نہ تھا کہ یہ ٹرین اس منزل تک جائے گی۔ وہ سب اپنے مذہب کے بلند اخلاقی معیارات کو مانتے تھے اور ان کا ہرگز یہ ارادہ نہ تھا کہ ان کی سوسائٹی اخلاقی پستی کے اس جہنم میں اتر جائے۔ لیکن انسانی فطرت کی اہم حقیقتوں کو نظر انداز کرکے جس غیر متوازن طرز معاشرت کی انہوں نے بنا ڈالی تھی اس کا طبعی انجام یہی تھا، اور اب اس انجام کو دیکھ لینے کے بعد جو لوگ اس راستہ پر

چلیں گے وہ بھی خواہ کتنے ہی معصوم ارادوں کے ساتھ چلیں، آخرکار اسی انجام تک پہنچ کر رہیں گے۔ گذشتہ تیس چالیس سال کے اندر مغرب کی اس اندھی تقلید کے طفیل سے ابتدائی مراحل تو آپ طے کر چکے ہیں۔ آپ کی سوسائٹی میں بھی ایک اچھا خاصا ہیجان انگیز ماحول تیار ہو چکا ہے آپ کے پریس بدترین قسم کا فحش لٹریچر شائع کر رہے ہیں جس کو آپ کی نوجوان نسلیں شوق سے پڑھ رہی ہیں۔ عریاں تصویریں اور آبرو باختہ عورتوں کی شبیہیں ہر جوان لڑکے اور لڑکی تک پہنچتی ہیں۔ آپ کے گھروں میں گراموفون پر نہایت رکیک اور گندے بازاری گیت بج رہے ہیں۔ سینما میں روزانہ فحش کاری کا سبق دیا جا رہا ہے جہاں سے ہر جوان دل اپنے اندر عشق اور رومان کا بےچین ولولہ لے کر آتا ہے۔ آپ کی خواتین کے لباس میں آہستہ آہستہ عریانی بڑھ رہی ہے "سوشل لائف" میں عملی حصہ لینے کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا ہے۔ معاشی استقلال کا سبق بھی ان کو دیا جا رہا ہے۔ سیاسی اور اجتماعی سرگرمیوں کی طرف ان کے دل للچا رہے ہیں۔ آپ کی خواتین اپنی ہر ادا سے ظاہر کر رہی ہیں کہ گھر کی چار دیواری سے نکل آنے کے لیے ان کے دل بے تاب ہیں۔ بہت سی خواتین اپنی فرنگی بہنوں کی طرح باہر آ چکی ہیں، اور جو نہیں آئی ہیں ان کے دل سے بھی حجاب اٹھتا جا رہا ہے۔ پردے میں رہنے کے باوجود اپنی زینت اور اپنے حسن کو مردوں کے سامنے ظاہر کر دینے کا کوئی امکانی موقع ہاتھ سے نہیں دیا جاتا۔ یہ سب آثار شہادت دے رہے ہیں کہ آپ کی ٹرین بھی اسی منزل مقصود کی طرف چل پڑی ہے جس کی طرف امریکہ اور یورپ کی ٹرین جا چکی ہے۔ پھر جب یہ آپ کا راستہ ہے اور اس راستہ کی وہ منزل مقصود ہے، تو آپ اس کے لیے قرآن و حدیث سے پروانہ راہداری حاصل کرنے کی سعی کیوں فرماتے ہیں۔ جو قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا تھا وہ تو اس راستہ پر ایک قدم بھی آپ کی رہنمائی نہیں کر سکتا۔ جو حدیث نبی عربی

علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے اس کو ساتھ لے کر تو آپ اس راستہ کی طرف بڑھنے کا ارادہ بھی نہیں کر سکتے۔ اگر آپ کو اسی طرف جانا ہے تو ایک دوسرا قرآن تصنیف کرنا ہوگا۔ ایک نیا مجموعۂ احادیث وضع کرنا ہوگا۔ لیکن یہ تکلیف آخر آپ کیوں اٹھائیں۔ آسمان مغرب سے جو وحی نازل ہو رہی ہے کیا وہ کافی نہیں؟ (باقی)

مطبوعات

طلوع اسلام | ماہوار رسالہ۔ زیر ادارت جناب سید نذیر نیازی صاحب چندہ سالانہ صہ۔ نمبر ۲۵ میکلوڈ روڈ۔ لاہور۔

اردو زبان کی صحافت میں طلوع اسلام کے اجراء سے ایک بلند پایہ رسالہ کا اضافہ ہوا ہے۔ یہ اُن تنوع پسند رسالوں میں سے نہیں ہے جن میں ہر رطب و یابس کو جمع کر دیا جاتا ہے بلکہ اس کا ایک خاص دائرۂ بحث اور ایک مخصوص خط مشی ہے جس کی پوری پابندی کی جاتی ہے۔ اس کا خاص موضوع عمرانیات ہے جو سیاسیات معاشیات، تمدن و معاشرت اور تاریخ پر حاوی ہے۔ اس کی پالیسی عمرانی مسائل میں اسلامی نقطہ نظر کی نمایندگی ہے جس کی وجہ سے اس کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ سید نذیر نیازی صاحب جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بہترین پیداوار میں سے ہیں اور ان سے ہم امید کرتے ہیں کہ یہ رسالہ ان کی ادارت میں اپنے مقصد کو باحسن وجوہ پورا کرے گا۔ ترتیب اور مضامین کے انتخاب میں ابھی بہت کچھ اصلاح و ترقی کی ضرورت ہے، خصوصاً جو بلند مقصد ان کے پیش نظر ہے۔ وہ ایسے مضامین چاہتا ہے جو زیادہ تحقیق اور زیادہ غور و فکر کے بعد لکھے جائیں۔ عمرانیات پر معلومات فراہم کرنا اور رائج الوقت نظریات کی ترجمانی کر دینا آسان تر ہے۔ مگر عمرانی مسائل میں اسلام کے نقطۂ نظر کو سمجھنا اور عمرانیات کو اسلامی سانچے میں ڈھال دینا بڑی وسعت نظر اور اجتہادی قوت چاہتا ہے۔ یہ کام بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ ایک طرف حکمت اسلامی اور اسرار شریعت پر گہری نظر ہو اور دوسری طرف عمرانیات

جدید کا محققانہ مطالعہ کیا گیا ہو۔ لیکن یہ سب امور اس پر منحصر ہیں کہ ایڈیٹر کو ہم خیال مددگاروں کی ایک جماعت قلمی امداد کے لیے اور خوش مذاق اہل علم کی ایک وسیع تر جماعت رسالہ کی خریداری کے لیے بہم پہنچ جائے۔ بدقسمتی سے یہی دو چیزیں ہماری قوم میں مفقود ہیں اور انہی کا فقدان کام کرنے والوں کی ہمتیں پست کر رہا ہے۔ خدا کرے کہ اس باب میں سید نذیر نیازی صاحب کچھ خوش قسمت ثابت ہوں۔ (ا-م)۔

Genuine Islam آل ملایا مسلم مشنری سوسائٹی کا ماہوار رسالہ۔ قیمت سالانہ پانچ روپیہ ملنے کا پتہ ۱۰۴۔ بی وکٹوریہ اسٹریٹ، سنگاپور۔

یہ ایک اعلیٰ معیار کا انگریزی رسالہ ہے۔ جو اپنی شان میں یورپ کے کسی بلند پایہ رسالے سے کم نہیں ہے۔ مضامین کا معیار بھی بلند ہے۔ اور ان میں اچھے مضمون نگاروں نے صحیح اسلامی تعلیمات کو پیش کیا ہے۔ مارچ کے پرچہ میں جج پر دو مفید مقالے۔ ایک نومسلم مغربی خاتون اور ایک لائق سیلونی مسلمان کے قلم سے ہیں کلمۂ طیبہ کے حقائق پر جسٹس ایم، ٹی۔ اکبر کا مقالہ پڑھنے کے لائق ہے۔ مسٹر خالد لطیف گوبھا کا مضمون "مشعل صداقت" اور مولانا عبدالعلیم صدیقی کا خطبہ "محاسن اسلام" اور ٹوکیو یونیورسٹی کے پروفیسر مسٹر بلاس کا مقالہ "اخوت اسلامی" اور ڈاکٹر خیری کا مقالہ "کیا گوئٹے مسلمان تھا" بھی قابل دید ہیں۔ رسالہ کے آخر میں تمام عالم اسلام کی خبروں کے خلاصے ہوتے ہیں۔ (ا-م)۔

The Islam انجمن خدام الدین لاہور کا نیم ماہی رسالہ۔ چندہ سالانہ دو روپیہ۔

مولانا احمد علی صاحب ناظم انجمن خدام الدین کئی سال سے تعلیمات اسلامی کی اشاعت کے لیے جو مخلصانہ کوششیں کر رہے ہیں، ان میں ایک تازہ اضافہ اس انگریزی ہفتہ وار پرچہ کا اجراء ہے۔ اس میں دینی تبلیغ کے علاوہ سیاسی معاملات میں بھی اسلامی نقطۂ نظر کی نمایندگی کی جاتی ہے۔

اور اسلامی تہذیب کے متعلق مفید علمی مضامین اس پر مزید ہیں۔ (ا-م)۔

سالنامہ شاہکار | رسالہ شاہکار نے، جس پر اس سے قبل ان صفحات میں تبصرہ کیا جا چکا ہے، حال میں اپنا سالنامہ شائع کیا ہے۔ ۱۶۰ صفحات کا ضخیم پرچہ جو علمی و ادبی مضامین، افسانوں، نظموں، غزلوں اور تصویروں کی گوناگونی سے لبریز ہے۔ افسانوں میں خواجہ غلام السیدین صاحب کا افسانہ "قانونی مجرم" اپنے پاکیزہ اور بلند خیالات، اور شایستہ انداز بیان کے لحاظ سے نہایت خوب ہے کاش ہمارے ادبی پرچے ایسے ہی افسانے شائع کیا کریں۔ شاہکار جیسے ستھرے رسالہ میں بعض ادنیٰ درجہ کی تصویریں دیکھ کر حیرت ہوئی۔ خصوصاً "وادی گلفروش" والی تصویر تو اس قابل نہ تھی کہ اسے اس رسالہ میں جگہ دی جاتی۔ "آرٹ" انسان کے لطیف جذبات کو ظاہر کرنے کا ایک ذریعہ ضرور ہے، مگر لطافت کا لازمی عنصر پاکیزگی ہے۔ بے حیائی اور عریانی ہرگز "آرٹ" نہیں ہے۔ اہل مغرب کی نفس پرستی نے جہاں دوسری بہت سی لطیف چیزوں کو گندہ کیا ہے، آرٹ بھی اسی گندگی میں آلودہ ہو کر رہ گیا ہے۔ وہاں ہر بے حیائی کا نام آرٹ ہے، اور جب کسی چیز کو اس مقدس نام سے موسوم کر دیا جائے تو وہ خواہ کتنی ہی پایۂ تہذیب سے گری ہوئی ہو، کوئی اس پر حرف گیری نہیں کر سکتا۔ برہنہ تصویریں، ننگے ناچ، رکیک جذبات کو انتہائی شدت کے ساتھ ظاہر کرنے والی ایکٹنگ اور ایسی ہی بہت سی چیزیں محض آرٹ کا لیبل لگ جانے کی بدولت اخلاقی احتساب کی گرفت سے آزاد ہو گئی ہیں لیکن ہماری درماندہ قوم کو ابھی بہت کچھ تعمیری کام کرنا ہے۔ اسے ایک زوال پذیر تہذیب کے ان تباہ کن کھلونوں سے دور ہی رکھنا بہتر ہے۔

قیمت عہ ۴ر علاوہ محصول ڈاک۔ ملنے کا پتہ دفتر شاہکار، لاہور۔ (ا-م)۔

استقلال | ہفتہ وار، زیر ادارت مولانا سلطان الحق صاحب قاسمی وغیرہ۔ چندہ سالانہ: تین روپیہ مقام اشاعت دیوبند ضلع سہارنپور۔

ابنائے دیوبند کی صحافی سرگرمیوں میں اس اخبار کا اجراء ایک جدید اضافہ ہے۔ مذہبی اور سیاسی مسائل پر سنجیدہ اظہار خیال اور دارالعلوم کے مقاصد کی حمایت اس کا مسلک ہے۔ (ا ۔ م)

الرضوان | ماہوار۔ زیر ادارت جناب محمد عسکری صاحب نقوی۔ چندہ سالانہ چار روپیہ مقام اشاعت لکھنؤ

حضرات اہل تشیع کی جانب سے یہ رسالہ حال میں جاری ہوا ہے زیادہ تر مذہبی مضامین ہوتے ہیں، اور دوسرے علمی و سیاسی مضامین کو بھی جگہ دیجاتی ہے۔ مولانا سید علی نقی صاحب کا ایک مسلسل مضمون "تفسیر القرآن" کے عنوان سے شائع ہو رہا ہے۔ (ا ۔ م)۔

اجتماع | ہفتہ وار۔ زیر ادارت جناب ہلال احمد صاحب زبیری۔ چندہ سالانہ تین روپیہ مقام اشاعت = دہلی۔

ایک متوسط درجہ کا سیاسی و ادبی پرچہ ہے۔ مضامین میں کافی تنوع پایا جاتا ہے بعض مضامین مفید معلومات پر مشتمل ہوتے ہیں، اور بعض دلچسپ۔ تقریباً چار صفحات تصویروں کے لیے وقف ہیں۔ مگر افسوس کہ فلم اسٹاروں کی تصویروں اور سینما کے مناظر کو یہاں بھی جلب انظار و جذب توجہات کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ "الجمعیت" کے ایڈیٹر سے تو دنیا یہ توقع نہیں رکھتی کہ وہ بھی اس فتنہ کی اشاعت میں حصہ لیں گے۔ (ا ۔ م)۔

دائے دہلی | ہفتہ وار۔ زیر نگرانی جناب اشفاق احمد صاحب زاہدی۔ چندہ سالانہ پانچ روپیہ مقام اشاعت قرول باغ۔ دہلی۔

ایک مصور سیاسی و اجتماعی پرچہ ہے جو حال میں دہلی سے جاری ہوا ہے۔ سیاسی خیالات میں کافی آزاد خیالی پائی جاتی ہے۔ مفید علمی مضامین اور دلچسپ افسانے بھی شائع ہوتے رہتے ہیں (ا ۔ م)

تسکین الفواد بذکر المیلاد | از حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر۔ ضخامت ۵۲ صفحے۔ ملنے کا پتہ قاضی انتظام علی خاں صاحب، محلہ قاضی گڑھی، کاکوری، ضلع لکھنؤ۔

آستانہ شریفہ کاظمیہ کچھ اوپر ڈیڑھ سو برس سے انوار عرفان کی ضیا باری میں سرگرم ہے مولٰنا شاہ حبیب حیدر علیہ الرحمہ اسی آستانۂ عالیہ کے سجادہ افروز اور قلندران پاک کی بہترین یادگار تھے۔ یہ کتاب انھیں کی تالیف ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عید میلاد کے تذکرہ میں ہے تاریخی حقائق پر تو بہتوں نے لکھا ہے، استغراق فی الذات و محویت فی الصفات کا ل دیکھنا ہو تو یہ رسالہ دیکھئے۔ (ع ع)۔

اشرف المبین فی ذکر معراج سید المرسلین از حضرت مولٰنا شاہ حبیب حیدر ضخامت ۵۶ صفحے۔ ملنے کا پتہ: قاضی انتظام علی خاں صاحب، محلہ قاضی گڑھی، کاکوری ضلع لکھنؤ۔

یہ رسالہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر معراج میں ہے، اور حضرت مغفور ہی کی تالیف ہے۔ کتاب و سنت و کتب سیرۃ میں معراج نبوی کے متعلق بہت کچھ مذکور ہے، لیکن اس رسالہ کی خصوصیت یہ ہے کہ فنا فی الرسول کے جذبات اس سے تراوش کرتے ہیں۔ (ع ع)۔

رطل گران از آغائے محمد طلعت یزدی، ضخامت ۸۰ صفحے۔

"سبک باش و رطل گراں تم بدہ"۔ یہ چھ سو برس پہلے کی درخواست ہے، جو شیراز نے کی تھی اور اب حیدر آباد میں اکی تکمیل ہوئی ہے۔ آغائے سخن "طلعت" کے فارسی منظومات کا یہ ایک مختصر مجموعہ ہے، جو غرائب کلام و عجائب لغات کا نہایت روشن مظہر ہے، "دیدہ آئینہ دار طلعت اوست" سکسری ہوگی اگر اہل ذوق اس رطل گراں کے رشحات سے فیضیاب نہ ہوں، صافی مذاقوں کو اس بادۂ تندو تیز سے ضرور مستفید ہونا چاہیے۔ (ع ع)۔

مکتبۂ علمیہ

سلطنت آصفیہ میں یہ ایک ایسا مکمل تجارتی کتب خانہ ہے جو خاموشی کے ساتھ اردو زبان کی خدمت انجام دے رہا ہے اور جہاں سے ہر مذاق اور ہر علم و فن کی اردو عربی فارسی اور انگریزی کتب اور ان کے تراجم مل سکتے ہیں طلباء کے لیے درسی کتب کا بھی انتظام کیا گیا ہے بیرونی مقامات کے لوگوں کو بھی حسب فرمائش کتابیں بھیجی جا سکتی ہیں جو مصنفین و مؤلفین حیدرآباد اپنی تصانیف کی اشاعت اور ان کی فروخت کا معقول انتظام چاہتے ہوں وہ مہتمم مکتبہ سے ذریعہ خط و کتابت جملہ امور کا تصفیہ فرما سکتے ہیں حیدرآباد کے مشہور اور نامور شعراء اور مصنفین کی تصانیف آپ کو مکتبہ ہی سے مل سکتی ہیں آج ہی ایک کارڈ لکھ کر

مالک خواجہ بہاء الدین صاحب مکتبۂ علمیہ چار مینار حیدرآباد دکن فہرست مفت طلب فرمائیے۔

قواعد

رسالہ ترجمان القرآن بالعموم ہر ہجری مہینے کی ۱۰ تاریخ کو شائع ہوا کرے گا مہینہ کے آخر تک جن حضرات کے پاس پرچہ نہ پہنچے وہ دوبارہ لکھ کر منگوا سکتے ہیں ختم ماہ کے بعد دوسرے مہینے کی ابتدا میں جن خریداروں کی شکایات موصول ہوں گی ان کو پرچہ قیمتاً بھیجا جائے گا

جو حضرات اپنی جائے قیام طویل مدت کے لیے تبدیل کریں انہیں اپنے جدید پتے کی اطلاع دفتر کو بھیج دینی چاہیے ورنہ پرچہ نہ پہنچنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

خریداروں کو دفتر سے مراسلت کرنے میں ہمیشہ نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہیے لیکن یہ لحاظ رہے کہ رجسٹری نمبر اور چیز ہے اور نمبر خریداری اور چیز

اشاعت کے لیے مضامین و حل طلب مسائل تمام ایڈیٹر کے نام بھیجے جائیں لیکن ایڈیٹر پر لازم نہیں کہ ہر چیز شائع کرے

منیجر ترجمان القرآن بدر الدین بلڈنگ نظام شاہی روڈ حیدرآباد دکن

(طابع و ناشر سید ابو الاعلیٰ مودودی)

(مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد دکن)

اُردو زبان کی ایک پرشکوہ کتاب

تمدن عرب

جو مدتوں سے نایاب تھی پہلے ایڈیشن ۱۸۹۸ء

کی ۶۰۰ صفحہ یہ صفحہ جامع خصوصیات کے ساتھ طبع ہو رہی ہے (۱۴۵) امریکن بلاک (۱۵۶) صفحے اعلیٰ کاغذ
نفیس چھپائی، بہترین سنہری جلد فرانس کے مایہ ناز مورخ ڈاکٹر گستاؤلی بان کی اصل کتاب کا ترجمہ

مولوی سید علی بلگرامی مرحوم کا بے مثل علمی کارنامہ

جس کی پچاس روپیہ قیمت تھی — مگر ایک سو روپیہ میں بھی نہیں مل سکتی تھی

اعلیٰ حضرت فرمانروائے دکن (مدظلہ) کے

جشن سیمین کی شادمانی میں غرۂ ذی حجہ ۱۳۵۴ھ تک شائع ہو جائے گی

پیشگی رعایتی قیمت [illegible] روپے بعد طبع [illegible] روپے

جامعہ عثمانیہ کی جملہ مطبوعات ہر قسم کی نادر روزگار کتابوں کے لیے

سید عبد القادر

پبلشر گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر و پروپرائٹر اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد دکن کا (پتہ یاد رکھیں)